سقیفہ کے حقائق (روایت ابو مخنف کی روشنی میں)

جلیل تاری

مترجم: سید نسیم حیدر زیدی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

فہرست مطالب

انتساب

میں اس ہدیہء ناچیز کو مظلوم تاریخ امام المتقین امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب.کی خدمت اقدس میں پیش کرتا ہوں،جنکا نام ا
س کتاب کے صفحات کی زینت ہے،جنکی عنایت اور شفاعت کا امیدوار ہوں۔

نسیم حیدر زیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ و نکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔ اسلام کے مبلغ و موسس سرورکائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ٢٣ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں ۔

اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہبِ عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا ۔

اگرچہ رسول اسلام ﷺ کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے

لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردئی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبے تاب ہیں،یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھاکر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا ۔

(عالمی اہل بیت کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوتؐو رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔ ہم اس راہ میں تمام

علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علام آقای جلیل تاری کی گرانقدر کتاب حقائق سقیفہ کو فاضل جلیل مولانا سید نسیم حیدر زیدی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں،اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

بیاں اپنا

تمام تعریفیں اس خدائے وحدہ لاشریک سے مخصوص ہیں جو عالمین کا پالنے والا ہے اور بے شمار درود و سلام ہو اس کی بہترین مخلوق حضرت محمدؐ اور انکی پاکیزہ آلؑ پر جنہوں نے بشریت کی تعلیم تربیت اور راہنمائی کے لئے فرش زمین پر قدم رکھ کر پیغام الٰہی کو پہونچایا اور انسانوں کو ہر طرح کی پستی سے نکال کر معراج عبودیت تک پہونچایا۔ واقعہء سقیفہ: تاریخ اسلام کا وہ عظیم سانحہ ہے جس نے دین اسلام کو تہتر فرقوں میں تقسیم کرکے امت محمدؐیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داغدار بنادیا، سقیفہ کے موضوع پر کل بھی کتابیں لکھی گئی تھیں اور آج بھی لکھی جارہی ہیں اور آئندہ بھی محققین اپنے قلم کا کرشمہ دکھاتے رہیں گے مگر اس کتاب میں جس انداز اور جن پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے وہ قابل قدر ہیں اور اسکے مصنف لائق تحسین اور قابل مبارکباد ہیں ۔ حقیر نے اس کتاب کو مجمع جہانی اہل البیتؑ کی فرمائش پر اردو زبان حضرات کے لئے نہایت دقت کے ساتھ اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے، پھر بھی اگر ترجمے میں کوئی نقص نظر آئے تو برائے مہربانی حقیر کو مطلع فرمائیں تاکہ اس کی اصلاح ہوسکے ۔

خالق لوح وقلم کی بارگاہ میں اہل بیتؑ طاہرینؑ کے وسیلے سے دعا گو ہوں کہ پروردگارا ! اس ناچیز کوشش کو بطفیل قائم آل محمد (عج) شرف قبولیت عطا فرما، کتاب کے مصنف اور ناشر کو مزید خدمت دین کی توفیق عطا فرما ۔ آمینآخر میں اپنے تمام دوستوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کام میں میری مدد فرمائی ہے خصوصاً برادر عزیز حجۃ الاسلام مولانا سید حسین اختر رضوی اعظمی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس ترجمہ میں میری راہنمائی فرمائی ہے۔ انہ ولی التوفیق

سید نسیم حیدر زیدی۔ قم المقدسہ ۳ صفر ۱۴۲۶ھ

پیش لفظ

پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے فوراً بعد پیش آنے والا ایک عظیم سانحہ ''واقعہ ء سقیفہ '' ہے جو آپ کی وفات کے بعد رونما ہونے والے بہت سے حوادث ونظریات کا پیش خیمہ ہے جس طرح اس واقعہ کے ابتدائی مرحلہ ہی میں اسکے طرفدار اور مخالفین موجود تھے ،اُسی طرح آج بھی مسلمانوں کے درمیان فرقہ بندی کا اہم سبب واقعہ سقیفہ ہی ہے ۔ لہٰذا ممکن ہے کہ اس سلسلے میں علمی اور استدلالی بحث ،طالب حق انسان کیلئے رہنما ثابت ہو ۔ ''سقیفہ ''لغت میں چھت دار چبوترہ کو کہتے ہیںیہ مدینہ کے ایک گوشہ میں ایک مکان تھا جسکی بڑی چھت تھی اور یہ مکان،بنوساعدہ بن کعب خزرجی کا تھا اسی وجہ سے سقیفہ بنی ساعدہ کے نام سے مشہور تھا ۔ انصار اس مکان میں جو ایک مجلس مشاورت کی حیثیت رکھتا تھا اپنے مختلف فیصلوں کے لئے جمع ہوتے تھے[۱]۔

پیغمبر اسلامؐکی رحلت کے بعد انصار کا ایک گروہ جس میں اوس و خزرج[۲] دونوں ہی شامل تھے یہاں جمع ہوئے تاکہ پیغمبر اسلامؐکی خلافت کے سلسلے میں کوئی چارہ جوئی کریں۔انصار کیوں اور کس مقصد کے تحت وہاں جمع ہوئے ؟کیا تقریریں ہوئیں اورانکا نتیجہ کیا نکلا؟یہ تمام موضوعات ایسے ہیں جن کے بارے[۳] میں اس کتاب میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک اچھی خاصی اہمیت کا حامل تھا اور ہے اور بہت سے مورخین کی توجہ کا مرکز بنارہا اسکے باوجود بعض محدثین نے اس اہم واقعہ کے فقط چند پہلوؤں کے بیان ۔پرہی اکتفاکی ہے لیکن ابو مخنف ان راویوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اس واقعہ کی باریکیوں کو تفصیل سے بیان کیا بلکہ سقیفہ کے موضوع پر ایک پوری کتاب بھی لکھی[۴]لیکن ہمارے پاس اس کتاب کا فقط وہ حصہ موجود ہے جو تاریخ طبری میں نقل ہواہے۔اس کتاب میں ہماری کوشش ہے کہ ابو مخنف (جو تاریخ اسلام کے ایک عظیم

---

[۱] صاحب حسن اللغات کے مطابق سقیفہ ایک ایسا خفیہ مکان تھا جہاں عرب باطل مشوروں اور بے ہودہ باتوں کیلئے جمع ہوتے تھے(مترجم)
[۲] مدینہ کے دوبڑے قبیلوں کے نام ہیں -(مترجم)
[۳] السقیفہ:محمد رضا مظفر ص۔۹۶
[۴] رجال نجاشی:ص۳۰۲

اور باریک بین محدث ہیں)کے تعارف کے ساتھ ساتھ واقعہء سقیفہ کے بارے میں انکی اہم روایت پر محققانہ اور منصفانہ نظر کی جائے نیز مختلف معتبر تاریخی کتابوں سے متن روایت کو پیش کریں اور حاشیہ پر مختلف مآخذو منابع کا ذکرکرتے ہوئے دوران بحث ہر قسم کی جانبداری اور بے بنیاد باتوں سے پرہیز کریں۔ مصنف نے اپنی کم علمی کے باوجود بے حد کوشش کی ہے کہ واقعہ سقیفہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معتبرکتابوں کا سہارا لیا جائے،اور ہر مسئلہ میں طرفین کے نظریہ اورتنقید کوبیان کرتے ہوئے ایک خاص نظر پیش کی جاتی۔امید ہے کہ اس کتاب کے اسلوب تحریر سے تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا،جسے ''اجتہادی تاریخ'' کے نام سے یاد کیا جاسکتاہے۔آخر میں خدا کے شکر کے بعد تمام ان افرادکی قدر دانی کو ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے میری تعلیم وتربیت میں مؤثر کردار اداکیابا لخصوص اپنے محترم والدین ،بھائی ،اساتذہ نیزجناب ڈاکٹر صادق آئینہ وند اورحجۃالاسلام والمسلمین رسول جعفریان کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تخلیق میں میری رہنمائی فرمائی۔

جلیل تاری۔۱۴۲۳ ھجری

پہلا حصہ

تمہیدات

ابو مخنف کا تعارف

ابو مخنف کا تعارف:کیونکہ ہم سقیفہ سے متعلق ابو مخنف کی روایت کے بارے میں گفتگو کریں گے لہٰذا ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان سوالات کا مختصر جواب دیدیا جائے جن کا قارئین کے ذہن میں ابھرنے کا امکان ہے،مثال کے طور پر ابو مخنف کون تھے؟، کس دور میں تھے؟شیعہ اور سنی علماء ان کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں ان کا مذہب کیا تھا؟کتاب کا یہ حصہ انہیں سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

ابو مخنف کون تھے؟ابو مخنف کا نام، لوط بن یحیٰ بن سعید بن مخنف[1] ابن سُلیم ازدی[2] ہے انکا اصلی وطن کوفہ ہے اور ان کا شمار دوسری صدی ہجری کے عظیم محدثین اور مورخین میں ہوتا ہے۔انہوں نے پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد سے اموی حکومت کے آخری دور تک کے اہم حالات وواقعات پر مختلف کتابیں لکھیں، جیسے کتاب المغازی، کتاب السقیفہ،کتاب الردہ،کتاب فتوح الاسلام،کتاب فتوح العراق،کتاب فتوح خراسان، کتاب الشوریٰ،کتاب قتل عثمان، کتاب الجمل، کتاب صفین،کتاب مقتل أمیر المؤمنین کتاب مقتل الحسن(علیہ السلام)کتاب قتل الحسین(علیہ السلام)و۔

جو مجموعی طور پر اٹھائیس کتابیں ہیں اور ان کی تفصیل علم رجال کی کتابوں میں موجود ہے[3]۔لیکن ان میں سے اکثر کتابیں ہماری دسترس میں نہیں ہیں البتہ ان کتابوں کے کچھ مطالب انکے بعد لکھی جانے والی کتابوں میں روایت ابی مخنف کے عنوان سے موجود ہیں مثلاً

---

[1] مخنف، منبر کے وزن پر ہے۔
[2] الفہرست۔ابن ندیم،ص۱۰۵
[3] الفہرست۔ابن ندیم،ص ۱۰۶،۱۰۵۔رجال النجاشی ص۳۲۰

تاریخ طبری[1] میں ابو مخنف سے مجموعی طور پرپانچ سو سے زیادہ روایتیں مختلف موضوعات پر نقل ہوئی ہیں اور ان نقل شدہ روایات میں سے اکثر کا تعلق کہ جوتقریباً ایک سو چھبیس روایتیں ہیں حضرت علیؑ کے دوران حکومت کے حالات و واقعات سے ہے۔ایک سو اٹھارہ روایتیں واقعہء کربلا اورایک سو چوبیس روایتیں حضرت مختار کے قیام کے بارے میں ہیں۔صدر اسلام میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں ابو مخنف کی روایات اس قدر دقیق،مفصّل اور مکمل جزئیات کے ساتھ ہیں جو ہر قسم کے تعصب سے دور ہونے کے علاوہ ہر واقعہ کے مختلف پہلوؤں کی طرف قارئین کی رہنمائی کرتی ہیںیہاں تک کہ اسکے بعد لکھی جانے والی شیعہ اورسنی تاریخی کتابوں نے انکی روایات سے کافی استفادہ کیاہے اور روایت کے ذکرکے ساتھ ساتھ اس پر مکمل اعتماد کا اظہار بھی کیا ہے۔

ابو مخنف کا دور: اگرچہ انکی تاریخ ولادت معلوم نہیں ہے لیکن انکی تاریخ وفات عام طور سے سن ۱۵۷ھ ق نقل کی گئی ہے انکی تاریخ ولادت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بعض علماء رجال غلط فہمی کاشکار ہوئے ہیں۔ بعض نے انہیں امام علیؑ،امام حسنؑ،اور امام حسینؑ کا صحابی کہا ہے،جبکہ بعض علماء نے انہیں امام جعفر صادقؑ کا صحابی جانا ہے،جیسا کہ شیخ طوسیعلیہ الرحمہ[2] نے ''کشّی'' سے نقل کیا ہے کہ ابو مخنف امام علیؑ،امام حسنؑ،اور امام حسینؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔لیکن انکا خودیہ نظریہ نہیں ہے بلکہ انکا کہنا ہے کہ ابو مخنف کے والد ''یحیٰی'' امام علیؑ کے صحابی تھے جبکہ خود ابو مخنف (لوط) نے آپکا زمانہ نہیں دیکھاہے۔شیخ نجاشی کا کہنا ہے کہ ابو مخنف امام صادقؑ کے اصحاب میں سے ہیں[3] اوریہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے امام محمد باقرؑ سے بھی روایت نقل کی ہے۔

مگر یہ قول صحیح نہیں ہے شیخ نجاشی کے قول کے مطابق ابو مخنف صرف امام صادقؑ سے روایت نقل کرتے تھے اور آپکے اصحاب میں سے تھے او ر انہوں نے امام محمد باقرؑ سے کوئی روایت نقل نہیں کی چہ جائیکہ وہ امام علیؑ سے روایت نقل کرتے۔ تمام شواہد

---

[1] بعض افراد نے تاریخ طبری میں ابومِخنف کی روایات کی تعداد پانچ سو پچاسیکہی ہے جبکہ تحقیق کے بعدمصنف کا کہنایہ ہے کہ انکی تعدادپانچ سو باسٹھہے ممکن ہے کہ بعض روایات کے چند حصے الگ الگ جگہ نقل ہوگئے ہوں۔

[2] رجال طوسی۔ ص۸۱،الفہرست شیخ طوسی۔ص۱۲۹

[3] رجال نجاشی ۔ص۳۲۰

وقرائن شیخ نجاشی کے قول کی تصدیق کرتے ہیں اس لئے کہ ا۔تاریخ طبری میں ابو مخنف کی جو روایت امام جعفر صادقؑ سے نقل ہوئی ہے وہ بغیر کسی واسطہ کے ہے جبکہ امام محمد باقرؑ سے انکی روایت ایک واسطہ کے ساتھ نقل ہوئی ہے[۱]۔

۲۔حضرت امام علیؑ کے خطبات اور حضرت فاطمہ زہراءؑ کے خطبہ سے متعلق ابو مخنف کی روایت دو واسطوں کے ذریعہ نقل ہوئی ہے[۲]۔

۳۔اگر ابومخنف کی تاریخ وفات کو ملحوظ نظر رکھا جائے جو ۱۵۸ ہجری ہے اور یہ کہا جائے کہ انہوں نے امام علیؑ کا زمانہ بھی دیکھا ہے (یعنی کم از کم وہ اس دور میں شعور رکھتے تھے)تو ایسی صورت میں وفات کے وقت انکی عمر تقریباً ایک سو تیس سال ہوجائیگی[۳] جبکہ کسی راوی نے بھی اس قسم کی بات کا تذکرہ نہیں کیاہے۔یہ تمام قرائن شیخ نجاشی کے قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہیں کہ وہ امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے اور آپؑ ہی سے روایت کرتے تھے۔

لیکن کتاب ''الکافی[۴] ''میں ابو مخنف کی ایک روایت بغیر کسی واسطہ کے حضرت امام علیؑ کے دور حکومت سے متعلق نقل ہوئی ہے ۔اس حدیث میں ان کابیان ہے کہ شیعوں کا ایک گروہ امیر المومنین کے پاس آیا۔لیکن یہ حدیث ہرگز یہ ثابت نہیں کرتی کہ وہ حضرت علیؑ کے دور میں تھے۔ اس لئے کہ ممکن ہے یہ حدیث ''مرسلہ[۵]''ہو جو بات یقینی ہے وہ یہ کہ ابومخنف کے پر دادا ''مخنف ابن سلیم''رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے[۶] اور آپؑ کی طرف سے شہر اصفہان کے گورنر مقرر ہوئے[۷] اور جنگ جمل کے دوران حضرت علیؑ کی فوج میں قبیلہ ازد کے دستہ کی سالاری کے فرائض انجام دیتے ہوئے اس جنگ میں شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔سوانح حیات سے متعلق اکثر کتابوں کے مطابق انکی شہادت جنگ جمل میں ہوئی مثلاً ''الکنی والالقاب''شیخ

---

[۱] تاریخ طبری۔ج۵ص۴۵۳،۴۴۸

[۲] فہرست طوسی:ص۱۳۰(عن ابی مِخنف ،عن عبدالرحمٰن بن جندب،عن ابیہ،عنہ علیہ السلام)

[۳] اس بات کے پیش نظر کہ حضرت علیؑ کی تاریخ شہادت سن چالیسہجری قمری ہے۔

[۴] الکافی ۔ج۴ص ۳۱۔

[۵] مرسلہ ایسی روایت کو کہتے ہیں جس میں راوی ایک یا چند واسطوں کو حذف کرنے کے بعد معصوم سے روایت نقل کرتاہے(مترجم)

[۶] الطبقات الکبریٰ:ج۶ص۳۵،الفہرست ابن ندیم:ج۱۰۶،۱۰۵

[۷] ذکر اخبار اصفہان :ترجمہ دکتر کسائی ،ص۱۸۹

عباس قمی ''الذریعہ ''آقابزرگ تہرانی، ''اعلام''زرکلی اور اسی طرح ''تاریخ طبری[1]''میں ابو مخنف کی روایت اسی چیز پر دلالت کرتی ہے،لیکن اسی تاریخ طبری[2]میں مخنف بن سلیم کی ایک روایت واقعہ صفین سے متعلق نقل ہوئی ہے جو اس بات سے تناسب نہیں رکھتی کہ وہ جنگ جمل میں شہید ہوئے تھے۔اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''رجال'' اور ''فہرست[3]''میں ابو مخنف کے والد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایاہے کہ آپ حضرت علیؑ کے صحابی تھے جبکہ جو چیز مسلم ہے وہ یہ کہ ابو مخنف کے والد یحییٰ حضرت علیؑ کے صحابی نہ تھے بلکہ آپ کے پر دادا حضرت کے اصحاب میں سے تھے لہٰذا یہ بات قابل توجہ ہے کہ مخنف بن سلیم،ابو مخنف کے نہ والد ہیں اور نہ دادا جیسا کہ بعض افراد انکے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں اور انہیں ابو مخنف کا دادا کہا ہے[4]جبکہ وہ ابو مخنف کے پر دادا ہیں۔

''ابو مخنف شیعہ اور سنی علماء کی نظر میں'' اہل تشیع کی علم رجال سے متعلق کتابوں سے یہ بات روشن ہے کہ ابو مخنف ایک قابل اعتماد شخص تھے، شیخ نجاشی انکے بارے میں کہتے ہیں کہ ابو مخنف کوفہ کے بزرگ راویوں کے شیوخ (اساتذہ)میں سے ہیں انکی روایت پر اعتماد کیا جاسکتاہے[5]شیخ طوسی[6] نے اپنی علم رجال کی کتاب میں انہیں امام جعفر صادقؑ کا صحابی کہا ہے شیخ عباس قمی نجاشی جیسی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ابو مخنف عظیم شیعہ مورخین میں سے ایک ہیں نیزآپ فرماتے ہیں کہ ابو مخنف کے شیعہ مشہور ہونے کے باوجود طبری،اورابن اثیر[7]،جیسے علماء اہل سنت نے ان پر اعتماد کیا ہے،آقا بزرگ تہرانی نجاشی کی چند عبارتیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''انکے شیعہ مشہور ہونے کے باوجود علمائے اہل سنت جیسے طبری اور ابن اثیر نے ان پر اعتماد کیا ہے بلکہ ابن جریر کی کتاب تاریخ الکبیر[8]تو ابو مخنف کی روایات سے پُر ہے۔ آیۃ اللہ خوئی نے بھی انہیں ثقہ کہا ہے اور شیخ طوسیؒ سے ابو

---

[1] تاریخ طبری۔ ج۴ص۵۲۱
[2] تاریخ طبری ۔ج۴ص۵۷۰
[3] رجال طوسی ۔ص۸۱،فہرست،ص۱۲۹
[4] الکنی والالقاب۔ ج۱ص۱۵۵،الذریعہ۔ ج۱ص۳۱۲۔
[5] رجال نجاشی :ص۳۲۰۔(ابو مِخنف شیخ اصحاب الاخبار بالکوفہ وجھھم وکان یسکن الی ما یرویہ)
[6] رجال طوسی۔ص ۲۷۵
[7] الکنی والالقاب ۔ص ۱۵۵
[8] الذریعہ۔ج۱ص۳۱۲

مخنف تک جوسند ہے اسے آپ نے صحیح جانا ہے[1]۔ لیکن بعض علماء اہل سنت نے انکے شیعہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے انکی روایت کو متروک قرار دیا ہے اور بعض افراد نے انکے شیعہ ہونے کا ذکر کئے بغیر انکی روایت کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ یحییٰ بن معین کا کہنا ہے ''ابو مخنف لیس بشیء[2]'' (یعنی ابو مخنف قابل اعتماد نہیں ہیں)اورابن ابی حاتم نے یحیی بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہیں[3] اور دوسروں سے بھی اس بات کو نقل کیا ہے کہ وہ ''متروک الحدیث'' ہیں[4]۔ ابن عدی یحییٰ بن معین کا قول نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ گذشتہ علماء بھی اسی بات کے قائل ہیں، (یوافقہ علیہ الائمہ) اسکے بعد وہ کہتا ہے کہ ابو مخنف ایک افراطی قسم کے شیعہ ہیں،انکی احادیث کی سند نہیں ہے ان سے ایسی ناپسندیدہ اور مکروہ روایات نقل ہوئی ہیں جو نقل کرنے کے لائق نہیں[5]۔

ذہبی کا کہنا ہے کہ وہ متروک ہیں[6] اوردوسری جگہ پر کہا ہے کہ ابو مخنف نے مجہول افراد سے روایت نقل کی ہے[7]، دار قطنی کا قول ہے کہ ابو مخنف ایک ضعیف اخباری ہیں[8]،ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ ان پر اطمینان نہیں کیا جاسکتا ہے پھر بعض علماء کا قول نقل کرتا ہے کہ ابو مخنف قابل اعتماد اور مورد اطمینان نہیں ہیں[9]۔

لیکن ابن ندیم کا ان کے بارے میں کہنا ہے کہ میں نے احمد بن حارث خزار کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر میں دیکھا ہے کہ علماء کا کہنا ہے،کہ ابو مخنف کی عراق اور اسکی فتوحات سے متعلق روایات سب سے زیادہ اور سب سے بہتر ہیں،جس طرح سے خراسان ،ہندوستان اور فارس کے بارے میں مدائنی ،حجاز و سیرت کے بارے میں واقدی ،اور شام کی فتوحات کے بارے میں ان تینوں کی معلومات یکساں ہیں[10] یہ عبارت یاقوت حموی نے بھی اپنی کتاب ''معجم الادباء''میں ذکر کی ہے[11]، مجموعی طور پر اکثر علماء اہل سنت

[1] معجم رجال الحدیث ۔ج۔۱۵۔ص ۱۵۵
[2] تاریخ یحییٰ بن معین ج۱ص ۲۱۰
[3] قابل اعتماد۔(مترجم)
[4] الجرح والتعدیل ص ۱۸۲
[5] الکامل فی ضعفاء الرجال ۔ص۲۴۱(وانما من الاخبار المکروہ الذی لااستحب ذکرہ)
[6] دیوان الضعفاء والمتروکین:ج۲ص۲۶۵
[7] سیر اعلام النبلاء ۔ج۷ص۳۰۱
[8] الضعفاء والمتروکین:ص۳۳۳
[9] لسان المیزان:ج۵ص۵۶۷(ابو مِخنف قابل اعتماد راوی نہیں ہیں ابو حاتم اور دوسرے علما نے انہیں متروک جانا ہے)
[10] الفہرست:ابن ندیم ۔ص۱۰۶،۱۰۵
[11] معجم الادباء:ج۵ص۲۲۵۲۔

نے یحییٰ بن معین کے قول کا سہارا لیکر ابو مخنف کو غیر ثقہ قرار دیا ہے۔ البتہ ابو مخنف کے بارے میں ابن ندیم اور حموی نے جس حقیقت کا اظہار کیا ہے اسکی وجہ سے۔ ان کے قول کے متروک ہونے کے باوجود اہل سنت کے برجستہ علماء نے ان سے روایات نقل کی ہیں اور شاید عراق کے وہ حالات وواقعات جو تاریخ اسلام کے عظیم تحولات کا سبب ہیں ان تک ابو مخنف کی روایات کے بغیر دسترسی ناممکن ہے، لہٰذا علماء اہل سنت کے نظریات کے سلسلے میں اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ شاید انکے نزدیک ابو مخنف کے متروک ہونے کی وجہ وہی ہو جو ابن عدی نے اپنے کلام کے آخر میں کہی ہے اور وہ یہ کہ ابو مخنف کی روایات میں ایسے واقعات کا ذکر ہے کہ جو بعض افراد پر گراں گزرتے ہیں کیونکہ وہ واقعات انکے مفروضہ عقائد اور نظریات سے مطابقت نہیں رکھتے۔

ابو مخنف کا مذہب: ابو مخنف کے مذہب کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: شیخ طوسی کا اپنی کتاب ''فہرست'' میں اور نجاشی کا اپنی کتاب ''رجال'' میں انکے مذہب کے بارے میں کوئی رائے پیش نہ کرنا انکے شیعہ ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شیخ عباس قمی اور آقا بزرگ تہرانی نے واضح طور پر انکے شیعہ ہونے کو بیان کیا ہے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ انکا شیعہ ہونا مشہور ہے لیکن آقا خوئی نے اپنی کتاب ''معجم رجال الحدیث'' میں انکے شیعہ یا غیر شیعہ ہونے کو بیان کئے بغیر انہیں ثقہ کہا ہے۔ اکثر علماء اہل سنت نے انکے شیعہ ہونے کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا یہاں تک کہ ابن قتیبہ اور ابن ندیم نے شیعہ افراد کے لئے ایک الگ باب تحریر کیا ہے لیکن ابو مخنف کے نام کا وہاں ذکر نہ ہونا انکے غیر شیعہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے علماء اہل سنت میں سے ابن ابی الحدید وہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ ابو مخنف کا شمار محدثین میں ہوتا ہے اور وہ امامت پر اعتقاد رکھتے تھے۔ لیکن انکا شمار شیعہ راویوں میں نہیں ہوتا صاحب قاموس الرجال مختلف اقوال پر تنقید کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ۔ ابو مخنف کی روایت

---

[۱] نقل از قاموس الرجال تستری۔ ج۸ص۶۲۰

[۲] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۱ص۱۴۷ (ابو مِخنف من المحدثین وممن یری صحۃ الامامۃ بالاختیار ولیس من الشیعہ ولامعدوداً من رجالها)

انکے متعصب نہ ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد ہے لیکن انکے شیعہ ہونے کے بارے میں کوئی رائے پیش نہیں کی جاسکتی[1] ۔ لہٰذا ان کے مذہب کے بارے میں بحث کرنے کا کوئی خاص علمی فائدہ نہیں ہے لیکن اگر ابو مخنف کی روایات پر غور وفکر کیا جائے جو اکثر سقیفہ،شوریٰ، جنگ جمل ، جنگ صفین ، مقتل امام حسینؑ سے متعلق ہیں توآپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ وہ شیعی افکار کے مالک تھے،البتہ ممکن ہے کہ انکی روایات میں بعض مطالب ایسے پائے جاتے ہوں جو کامل طور پر شیعہ عقیدہ کے ساتھ مطابقت نہ رکھتے ہوں لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم ابو مخنف کے دور زندگی کو بھی پیش نظر رکھیں کیونکہ بعض اوقات آئمہ معصومینؑ بھی تقیہ کی وجہ سے ایسے مطالب بیان کرتے تھے جو اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہوا کرتے تھے اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ ایک معتدل شخص تھے جس کی وجہ سے اہل سنت کی اکثر کتابوں میں انکی روایات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

بہرحال تاریخ میں ابو مخنف کی عظمت غیر قابل انکار ہے اور شیعہ وسنی تمام مورخین نے ان سے کافی استفادہ کیا ہے اور چونکہ تمام شیعہ علماء نے انہیں ثقہ جانا ہے اور انکی روایت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے لہٰذا انکی روایات کے مضامین پر غور وفکر کرنے سے صدر اسلام کے بہت سے اہم حالات و واقعات کی صحیح نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

روایت ابی مخنف کی تحقیق کا طریقہء کار

ابو مخنف کی روایات کے متن کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ ابو مخنف کو تاریخی روایات نقل کرنے والوں میں ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے لہٰذا دوسری روایات کے پیش نظر انکی روایت کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ نہیں کیاجاسکتا اس لئے کہ تاریخ کے تمام راوی جیسے ہشام کلبی،واقدی ،مدائنی ،ابن سعد وغیرہ یہ سب انکے دور کے بعد سے تعلق رکھتے ہیں اور ۔اسی کے مرہون منت ہیں ۔کافی غور وفکر اور جستجو کے بعد اس کتاب میں تحقیق کا جو طریقہء کار اپنایا گیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے ابو مخنف کی اس روایت کے مضمون کو تاریخ کی اہم کتابوں سے ،جو تاریخ طبری سے پہلے اور اسکے

---

[1] قاموس الرجال:التستری۔ج۸ ص۶۲۔

بعد لکھیں گئیں ہیں نیز خود تاریخ طبری کی متعدد روایات سے اسکا موازنہ کیا جائے اسکے بعد تمام قرائن وشواہد کی روشنی میں اسکے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کیا جائے ،اس سلسلے میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے وہ تاریخ کی معتبر ،معروف ومشہور کتابیں ہیں جن میں سے اکثر کتابیں اہل سنت کی ہیں ۔ہم آپکی معلومات کے لئے ان کتابوں کے نام کے ساتھ ساتھ انکا مختصر تعارف کرانا بھی ضروری سمجھتے ہیں[1]۔البتہ اس سے پہلے کہ تاریخ طبری سے پہلے لکھی جانے والی کتابوں کا تعارف کرایا جائے سب سے پہلے خود تاریخ طبری کا تعارف پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ ہماری بحث کا محور ہے اور تاریخ کی ایک جامع کتاب ہے۔

تاریخ طبری:اس کتاب کا نام ''تاریخ الامم والملوک یا تاریخ الرسل والملوک''ہے جسکے مولف ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہیں وہ ۲۲۴ ہج میں آمل طبرستان (مازندران:ایران کا ایک شہر)میں پیدا ہوئے اور تحصیل علوم کے سلسلے میں مختلف مقامات کا سفر کیا پھر بغداد میں سکونت اختیار کرلی اور ۳۱۰ ہجری میں وہیں انتقال کر گئے[2]۔آپکا شمار فقہ ،تفسیر اور تاریخ کے عظیم علماء میں ہوتا تھا خاص طور پر آپکی تاریخ اور تفسیر کی کتابیں تو علماء اور اہل فن کی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔

طبری نے اپنی کتاب میں اکثر روایات اپنے سے پہلے والے راویوں سے نقل کی ہیں اور طبری کے پاس ان کے ماقبل لکھی جانے والی کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود تھا جن سے انھوں نے خوب استفادہ کیا اور چونکہ ان میں سے بعض کتابیں زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ناپید ہوگئیں توان کتابوں کے مطالب کو نقل کرنے کا واحد مآخذ فقط تاریخ طبری ہی ہے اسی لئے یہ کتاب ایک خاص اہمیت کی حامل ہے اور ابو مخنف کی کتاب ''مقتل حسینؑ'' جو اپنی نوعیت کی واحد کتاب تھی اوراس بات کا زندہ ثبوت ہے کیونکہ اس کتاب کی روایتیں تاریخ طبری میں متعدد مقامات پرکثرت سے ذکر کی گئی ہیں[3]۔تاریخ طبری نے خلقت کی ابتداء ،اس کے بعد حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت خاتم الانبیاءؐ تک اور پھر ان کی ہجرت سے لیکر ۳۰۲ ہجری تک کے ہرسال کے حالات وواقعات

---

[1] کیونکہ اس سلسلہ میں مفصل بحث کرنا یہاں مناسب نہیں لہٰذا قارئین محترم مکمل معلومات کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں جیسے ۔فہرست ابن ندیم ،فہرست شیخ طوسی،الذریعہ آقا بزرگ تہرانی ،تاریخ التراث العربی:فوادسز گین ، قاموس الرجال تستری اور منابع تاریخ اسلام رسول جعفریان۔

[2] مقدمہ تاریخ طبری ۔ابو الفضل ابراہیم ۔ج،۱،ص۱۰

[3] یہ روایات اب''وقعۃ الطف''نامی کتاب میں موجودہیں جو محققِ محترم آقایوسفی نے لکھی ہے

کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ طبری کا کسی بھی واقعہ یا حادثہ کو نقل کرنے کا طریقہ جس کا تذکرہ انہوں نے اپنے مقدمہ میں کیا ہے[1] یہ ہے کہ کسی واقعہ کے بارے میں مختلف راویوں سے روایتوں کو سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اسکے بارے میں اپنی رائے دئے بغیر اسے قارئین کی نظر پر چھوڑ دیتے ہیں ،البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ طبری کے پاس جو مختلف روایتیں موجود تھیں ان میں سے انہوں نے صرف چند روایتوں کا انتخاب کرکے انہیں اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے لیکن واقعہ غدیر کے بارے میں انہوں نے ایک روایت بھی ذکر نہیں کی ہے۔ وہ تمام راوی جن سے طبری نے روایتوں کو نقل کیا ہے وثاقت کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں ۔

جیسے ابن اسحاق، ابو مخنف ،مدائنی ،زُہری اور واقدی یہ تمام افراد وہ ہیں جنہوں نے تاریخی واقعات کو ۔

نقل کرنے میں ایک خاص طریقہء کا راپنایا ہے اور اسی طبری کے راویوں میں سے ایک سیف بن عمر بھی ہے جو صرف روایتیں گھڑتا تھا اور نہایت ہی جھوٹا آدمی تھا [2]۔ اگرچہ طبری سنی مذہب تھے مگر زندگی کے آخری لمحات میں انکے تشیع کی طرف مائل ہونے کا احتمال دیا جاسکتا ہے۔ طبری سے پہلے لکھی جانے والی وہ کتابیں جو اس گفتگو کے لئے منتخب کی گئی ہیں

۱۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: دراصل اس کتاب کے مولف ابن اسحاق ہیں، اور سیرت نبوی پر لکھی جانے والی اہم اور مصادر کی کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے اس سے پہلے سیرت نبوی پر اتنی جامع کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ عبدالملک بن ہشام (وفات ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ ہجری) نے اس کتاب کی تلخیص کی اور اپنے خیال میں اس کی کچھ غیر ضروری عبارتوں کو حذف کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ مطالب کا اضافہ بھی کیا [3] اسکے بعد یہ کتاب ''السیرۃ النبویہ ابن ھشام'' کے نام سے مشہور ہوگئی۔

۲۔ المغازی واقدی: اس کتاب کے مولف محمد بن عمر واقدی (ولادت ۱۳۰ھ وفات ۲۰۷ھ) ہیں انکا تعلق عثمانی مذہب سے تھا وہ مدینہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۸۰ھ میں بغداد تشریف لائے اور مامون کی طرف سے بغداد کے قاضی مقرر ہوئے اور اسی

---

[1] طبری ۔ج ۱ص۷،۸

[2] کتاب ''عبداللہ بن سبا میں علامہ مرتضیٰ عسکری'' نے سیف بن عمر کی روایات کو نقل کیا ہے۔

[3] السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج ۱ص۴ (ابن اسحاق نے ایسے مطالب کا ذکر نہیں کیا کہ جو رسول خداؐ سے متعلق نہیں تھے یا یہ کہ بعض مطالب غیر مناسب تھے)

شہر میں انتقال کرگئے،وہ غزوات اور فتوحات کے سلسلے میں اچھی خاصی معلومات رکھتے تھے انہوں نے ہجرت سے لیکر پیغمبر اسلامؐ کی رحلت تک کی روایات کے بارے میں عمدہ تحقیق کی ہے جسکی وجہ سے وہ پیغمبر اسلامؐ کی جنگوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہے۔

۳۔الطبقات الکبریٰ:اس کتاب کے مولف محمد بن سعد (ولادت ۱۶۸ھ وفات ۲۳۰ھ)ہیں وہ کاتب واقدی کے نام سے مشہور تھے اور ایک نہایت ہی متعصب قسم کے سنی تھے ان کا تعلق بصرہ سے تھااور پھر بغداد جاکر واقدی کے پاس انکے کاتب کی حیثیت سے تعلیم میں مشغول ہوگئے،انھوں نے اپنی کتاب کی پہلی دو جلدوں میں پیغمبر اسلامؐ کی سیرت اوراسکے بعدکی جلدوں میں صحابہ اور تابعین کے بارے میں بحث کی ہے جو اس سلسلے کی ایک اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔

۴۔تاریخ خلیفہ بن خیاط (وفات ۲۴۰ھ):خلیفہ بن خیاط تیسری صدی ہجری کے ایک اہم مورخ سمجھے جاتے ہیں جو سنی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں ،ابن کثیر نے انہیں امام تاریخ کہہ کر یاد کیا ہے یہ کتاب تاریخی کتابوں میں قدیم ترین کتاب ہے کہ جس نے تاریخی حالات و واقعات کو ہر سال کے اعتبار سے پیش کیا ہے۔

۵۔الامامہ والسیاسۃ:یہ کتاب ابن قُتیبہ دینوری (ولادت ۲۱۳ھ وفات ۲۷۶ھ)کی طرف منسوب ہے جنکا شمار تیسری صدی ہجری کے اہل سنت سے تعلق رکھنے والے ادیبوں اور مورخین میں ہوتا ہے،انکی ولادت بغداد میں ہوئی مگر کچھ عرصہ دینور میں قاضی رہے اگرچہ اس کتاب کی نسبت دینوری کی طرف مشکوک ہے لیکن بہر حال یہ کتاب سن تین ہجری کے آثار میں سے ایک اہم کتاب ہے۔

۶۔انساب الاشراف:یہ کتاب احمد بن یحییٰ بلاذُری (ولادت ۱۷۰ھ سے ۱۸۰ھ کے درمیان ،وفات ۲۷۹ھ)نے لکھی ہے جو تیسری صدی ہجری کے برجستہ مورخین اور نسب شناس افراد میں سے ایک تھے وہ سنی مذہب اور عباسیوں کے ہم خیال افراد میں

[۱] منابع تاریخ اسلام۔ ص۱۲۱

سے تھے، اس کتاب میں تاریخ اسلام سے متعلق خاندانوں کا نام اور انکا نسب وغیرہ بیان کیا گیا ہے۔

۷۔تاریخ یعقوبی: اس کتاب کے مولف احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر بن وہب بن واضح ہیں ۲۸۴ھ میں انکا انتقال ہوا، آپ کا تعلق شیعہ مذہب سے تھا یہ کتاب تاریخ کی موجودہ قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ تاریخ طبری کے بعد لکھی جانے والی وہ کتابیں جن سے اس گفتگو میں استفادہ کیا گیا ہے یہ ہیں۔

۱۔السقیفہ و فدک: یہ کتاب ابوبکر جوہری (وفات ۳۲۳ھ) نے لکھی مگر زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ گم ہوگئی اس کتاب کے عمدہ مطالب دوسری کتابوں میں موجود ہیں، یہ کتاب ابن ابی الحدید کے پاس موجود تھی انہوں نے شرح نہج البلاغہ میں اس کتاب سے بہت کچھ نقل کیا ہے، اب یہ کتاب محمد ہادی امینی کی کوششوں سے مختلف مآخذ سے جمع آوری کے بعد ''السقیفہ وفدک'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

۲۔مروج الذھب: یہ کتاب علی بن حسین معودی (وفات ۳۴۶ھ) نے لکھی ہے، ممکن ہے کہ وہ شیعہ اثنا عشری ہوں مگر اس بات کا اندازہ ''مروج الذہب'' میں موجود مطالب سے نہیں لگایا جاسکتا بلکہ اس سے فقط انکے مذہب شیعہ کی طرف مائل ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے یہ کتاب مختلف مقامات کے سفر کرکے نہایت تحقیق اور جستجو کے بعد لکھے جانے کی وجہ سے کافی اہمیت کی حامل ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں ابو مخنف کا بہت ذکر کیا ہے۔

۳۔الارشاد: اس کتاب کے مولف شیخ مفید (ولادت ۳۳۶ھ وفات ۴۱۳ھ) ہیں وہ ایک شیعہ متکلم، فقیہ اور نامور مورخ ہیں، یہ کتاب اگرچہ شیعوں کے آئمہ کی زندگی کے بارے میں لکھی گئی ہے لیکن اس کے باوجود اس کتاب میں پیغمبر اسلام کی زندگی سے متعلق بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ شیخ مفید کے علمی مقام و مرتبہ اور تقویٰ و پرہیزگاری کی وجہ سے انکی تحریریں شیعہ علماء کے نزدیک ایک معتبر سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۴۔المنتظم فی تاریخ الملوک والامم:یہ کتاب ابن جوزی (ولادت ۵۰۸ھ وفات ۵۹۷ھ)نے لکھی ہے،وہ چھٹی صدی ہجری کے مفسرین ،خطباء اور مورخین میں سے ایک تھے،یہ کتاب عام طور سے بعد میآنے والے مورخین کے لئے بہت زیادہ قابلِ استفادہ قرار پائی۔

۵۔الکامل فی التاریخ:یہ کتاب ابن اثیر (ولادت ۵۵۵ھ وفات ۶۳۰ھ)نے لکھی ہے،انہوں نے اس کتاب میں ایسی دلچسپ روش اور طریقہء کار کا انتخاب کیا ہے کہ جس نے اس کتاب کو تاریخ سے دلچپسی رکھنے والے تمام افراد کے لئے قابل استفادہ بنا دیا ہے،انہوں نے مطالب کی جمع آوری اور انھیں نقل کرنے کے سلسلے میں بہت محنت اور توجہ سے کام لیا ہے ۔

۶۔البدایہ والنہایہ : یہ کتاب ابن کثیر (ولادت ۷۰۱ھ وفات ۷۷۴ھ)نے لکھی ہے۔اورقابل ذکربات یہ ہے کہ وہ ابن تیمیہ[1] کے شاگردوں میں سے ہیں۔اس کتاب میں بعض بحثیں جیسے سیرت نبوی کو مختصر طور پر بیان کرنے کے بعد مختلف نظریات پر تنقید کے علاوہ انکی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ یہ جتنی بھی کتابیں ذکر کی گئی ہیں یہ ہماری بحث کے تاریخی مآخذ ہیں اور اس سے ہرگز مرادیہ نہیں ہے کہ ہم نے فقط ان ہی کتابوں پر اکتفا کی ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر احادیث کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے،جیسا کہ اہل سنت کی احادیث کی کتابوں میں سے صحیح بخاری،مسند احمد بن حنبل اور شیعہ احادیث کی کتابوں میں سے کافی اور بحارالانوارکو اس گفتگو کے لئے منتخب کیا گیا ہے،اگرچہ بعض مخصوص مطالب کے سلسلے میں ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو انہیں موضوعات پر لکھی گئی ہیں مجموعی طور پریہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں تحقیق کا جو طریقہ کار اپنایا گیا ہے اگرچہ وہ بہت مشکل اور سنگین کام ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ طریقہء کار بہت سی تاریخی مباحث کی تحقیق کے سلسلے میں مفید ثابت ہو۔

[1] ابن تیمیہ کے افکار ہی درحقیقت وہابیت کی بنیاد ہیں۔

دوسرا حصہ

سقیفہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایت کا مضمون

تمہید

واقعہ سقیفہ کے بارے میں مختلف نظریات رکھنے کی بناپر اکثر محدثین نے اسے تفصیل کے ساتھ پیش نہیں کیا ہے لیکن خوش قسمتی سے بعض محدثین اور مورخین نے اسے تفصیل سے نقل کیا ہے عام طورپروہ اہم اور معتبر مآخذ جن کے ذریعہ سقیفہ کے حالات سے کافی حدتک آگاہی حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہیں ،روایت ابی مخنف[1] روایت جوہری[2] روایت خلیفہء دوم[3] روایت دینوری[4] اور روایت ابن اثیر[5]۔

ابو مخنف کی روایت جسے طبری نے نقل کیا ہے جو ہر لحاظ سے معتبر ہے اس کتاب میں سقیفہ کی بحث کے لئے یہی روایت محور قرار دی گئی ہے، اوریہ حصہ اس روایت کے مضمون کو مکمل طور سے بیان کرنے کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ سقیفہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایت کا عربی متن:حدّثنا هِشام بن محمد ، عن أبی مخنف ،قال :حدّثنی عبدالله ابن عبد الرحمن بن أبی عمرۃالأنصاری، أن النبيّ صلی الله علیه و سلم لما قُبض اجتمعت الأنصارفی سقیفة بنی ساعدة ،فقالوا :نولی هذا الأمر بعد محمد علیه السلام سعد بن عبادة ،و أخرجوا سعداً الیهم وهو مریض، فلما اِجتمعوا قال لابنه أو بعض بنی عمّه: انی لا أقدر لشکوای ان اسمع القوم کلّهم کلامي: ولکن تلقّ منّی قولی فا سمعهموه ؛ فکان یتکلم و یحفظ الرجل قوله ، فیرفع صوته فیسمع أصحابه،فقال بعد ان حمد الله واثنی علیه :یا معشر الأنصار! لکم سابقة فی الدین و فضیلة فی الاسلام لیست لقبیلة من العرب،ان محمداً علیه السلام لبث بضع عشرة سنة فی قومه یدعوهم الی عبادة الرحمن وخلع الأنداد والاوثان، فا آمن به من قومه الا رجال قلیل،وکان ماکانوایقدرون علی ان یمنعوارسول الله؛ولاان یُعزّوا دینه ،ولاان یدفعوا عن انفسهم ضَیماً عُمّوا به؛حتی اذا اراد بکم

---

[1] تاریخ طبری ـج٣ص٢١٨
[2] سقیفہ وفدک ـص ٥٤،شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج٦ص٥۔
[3] صحیح بخاری ـج٤ص٣٤٥،حدیث۔٦٨٣٠
[4] الامامۃ والسیاسۃـج١ص٢١
[5] الکامل فی التاریخ ـج٢ص١٢

الفضيلة،ساق اليكم الكرامة وخصكم بالنعمة، فرزقكم الله الايمان به وبرسوله،والمنع له ولأصحابه ،والاعزازَ له ولدينه؛ وا لجهاد لأعداهٔ؛ فكنتم اشد الناس على عدوّه منكم ،واثقله على عدوه من غيركم ؛ حتى استقامت العرب لامر الله طوعا وكرها ؛واعطى البعيد المقادة صاغراً داخراً ؛ حتى اثخن الله عزّوجل لرسوله بكم الارض،ودانت بأسيافكم له العرب ؛ وتوفاه الله وهو عنكم راض؛ وبكم قرير عين۔استبدّوا بهذا الامر فانه لكم دون الناس۔فأجابوه بأجمعهم :ان قد وُفّقتَ في الرأى واصبت في القول،ولن نعد وما رأيت ، ونوليک هذا الأمر،فانک فينا مقنعٌ ولصالح المؤمنين رضا ۔ثم اِنهم ترادّوا الكلامَ ،فقالوا :فان ابت مهاجرة قريش ،فقالوا : نحن المهاجرون و صحابة رسول الله الاولون؛ونحن عشيرته وأولياؤه ؛ فعلام تنازعوننا هذا الامربعده! فقالت طائفة منهم :فانا نقول اذاً :منا اميرومنكم امير؛ ولن نرضى بدون هذاالأمرابداً ۔فقال سعد بن عبادة حين سمعها :هذاأول الوهن!وأتى عمرا الخبرُفاقبل الى منزل النبيّ صلى الله عليه وسلم،فأرسل الى ابى بكر وابوبكرفي الداروعلي بن أبي طالب عليه السلام دائب في جهاز رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ فارسل الى ابى بكر أن اخرج اليّ،فأرسل اليه :انّي مشتغل؛ فأرسل اليه أنه قد حدَث أمرٌ لابد لک من حضوره ،فخرج اليه ، فقال :أما علمتَ أن الانصارقد اجتمعت في سقيفة بني ساعدة،يريدون ان يولّوا هذا الامر سعدَ بن عبادة،أحسنهم مقالةً مَن يقول: منا امير ومن قريش أمير!فمضيا مسرعين نحوهم ؛فلقيا أبا عبيده بن الجراح؛فتماشَوا اليهم ثلاثتهم، فلقيهم عاصم بن عديّ وعُويم بن ساعدة،فقالالهم :ارجعوا فانه لايكون ماتريدون، فقالوا : لانفعل ،فجاءوا وهم مجتمعون۔

فقال عمربن الخطاب:اتيناهم۔وقدكنتُ زوّرت كلاماً اردت أن اقوم به فيهم۔ فلماأن دفعتُ اليهم ذهبتُ لأبتدىء المنطق،فقال ليابوبكر:رُوَيداًحتى أتكلم ثم انطِق بعد بما أحببت ۔ فطق،فقال عمر:فاشىء كنتُ اردت أن أقوله الّا وقد أتى به او زاد عليه۔ فقال عبدالله بن عبدالرحمن[1]:فبدأأبوبكر،فحمدالله وأثنى عليه؛ثم قال؛ أن الله بعث محمداً رسولاً الى خلقه،وشهيداً على امته،ليعبدواالله ويوحّدوه وهم يعبدون من دونه آلهة شتى؛ويزعمون أنها لهم عنده شافعة،ولهم نافعة؛ وانّما هى من حَجَر مَنحوت، وخشب منجور،ثم قرأ:(ويعبدون من دون الله ما لايضرّهم ولاينفعهم ويقولون هؤلاء شفعاؤنا عند الله[2])

---

[1] هو راوى الخبر
[2] سوره يونس ١٨۔

وقالوا :(مانعبدهم الالیقرّبونا الی اللہ زلفی[1]) ؛ فعُظم علی العرب ان یترکوا دین آباءھم ،فخص اللہ المھاجرین الأولین من قومہ بتصدیقہ،والایمان بہ،والمؤاساۃ لہ، والصبر معہ علی شدۃ اذی قومھم لھم ؛وتکذیبھم ایاھم ؛ وکل الناس لھم مخالف، زارِ علیھم،فلم یستوحشوا لقلۃعددھم وشَنَفِ الناس لھم واجماع قومھم علیھم، فھم أول مَن عبداللہ فی الارض وآمن باللہ وبالرسول؛وھم أولیاؤہ وعشیرتہ ، وأحق الناس بھذا الأمر من بعدہ ؛ولا ینازعھم ذلک الاظالم، وأنتم یا معشر الانصار ،من لاینکر فضلُھم فی الدین،ولا سابقتُھم العظیمۃ فی الاسلام، رضیکم اللہ أنصاراً لدینہ ورسولہ ،وجعل الیکم ھجرتہ۔ وفیکم جلّۃأزواجہ وأصحابہ؛ فلیس بعد المھاجرین الاوّلین عندنا [أحد [2]]بمنزلتکم ؛ فنحن الامراء وأنتم الوزراء، لاتُفتاتون بمشورۃ، ولانقضی دونکم الامور۔قال: فقام الحُباب بن المنذر بن الجموع،فقال:یا معشرَ الانصار،املکوا علیکم امرکم ؛فان الناس فی فیئکم وفی ظلّکم ،ولکن یجتریء مجتریء علی خلافکم ؛ولن یُصدر الناس الاّعن رأیکم ،انتم اھل العزّ والثروۃ، واولوا العدد والمنعۃ والتجربۃ،ذووالباس والنجدۃ؛ وانما ینظر الناس الی ماتصنعون ؛ ولا تختلفوا فیفسد علیکم رأیکم؛ وینتقض علیکم أمرکم ؛ [فان] أبیٰ ھؤلاءِ الاّما سمعتم ؛فمنّا أمیر ومنھم أمیر۔

فقال عمر: ھیھات لایجتمع اثنان فی قَرن! واللہ لاترضی العرب ان یؤمّروکم ونبیّھا من غیرکم؛ ولکن العرب لاتمتنع أن تولّی أمرھا من کانت النبوۃ فیھم ووَلی أمورھم منھم ؛ ولنابذلک علی مَن أبی من العرب الحجۃ الظاھرۃ والسلطان المبین؛ من ذا ینازعنا سلطان محمد وامارتہ، ونحن أولیاوہ وعشیرتہ الامُدلِ بباطل،اومتجانِف لاثم،ومتورّط فی ھلکۃ!فقام الحُباب بن المنذر فقال: یامعشر الأنصار،أملکُوا علی أیدیکم ،ولا تسمعوا مقالۃھذا وأصحابہ فیذھبوا بنصیبکم من ھذا الأمر ؛فاِن أبوا علیکم ما سألتموہ، فاجلوھم عن ھذہ البلاد ،وتولّوا علیھم ھذہ الأمور ؛فأنتم واللہ أحق بھذا الامر منھم ؛فانہ بأسیافکم دان لھذا الدین من دان ممّن لم یکن یدین؛ جذیلھا المحکّک،وعذیقھا المرجب!اما واللہ لئن شئتم لنعید نّھا جذعۃ؛ فقال عمر: اذاً یقتلک اللہ! قال:بل ایاک یقتل!فقال أبو عبیدۃ: یا معشرَالانصار ؛انکم أوّل من نصر وآزرَ؛ فلاتکونوا اوّل من بدّل وغیّر۔فقام بشیر بن سعد ابوالنعمان بن بشیر فقال: یامعشر الأنصار؛ انا واللہ لئن کنا أولی فضیلۃ فی جھادِ المشرکین،و سابقۃ فی ھذا

---

[1] سورہ زمر ٣۔
[2] من ب

الدین؛ماازدنا بہ اِلّارضا ربنا وطاعۃ نبینا،والکدحَ لأنفسنا ؛فا ینبغی لنا أن نستطیل علی الناس بذلک ولانبتغی بہ من الدنیا عرضا ؛فان اللہ ولیّ المنۃ علینا بذلک ؛اَلا ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم من قریش ،وقومہ أحقّ بہ وأولی،وایم اللہ لا یرانی اللہ أنازعھم ھذا الأمر أبدا،فاتقوااللہ ولاتخالفوھم ولاتنازعوھم!فقال ابوبکر: ھذا عمر،وھذاأبوعبیدہ،فأیّھما شئتم فبایعوا۔فقالا:لا واللہ لانتولی ھذاالأمر علیک ،فانک افضل المھاجرین وثانی اثنین اذ ھما فی الغار،وخلیفۃ رسول اللہ علی الصّلاۃ ؛ والصّلاۃ افضل دین المسلمین؛فمن ذا ینبغی لہ ان یتقدّمک اویتولّی ھذا الامر علیک!ابسُط یدکَ نبایعک فلما ذھبا لیبایعاہ،سبقھاالیہ بشیربن سعد،فبایعہ، فناداہ الحباب بن المنذر : یا بشر بن سعد : عقّتک عقاق؛ ما احوجک الی ما صنعت،أنفستَ علی ابن عمّک الامارۃ!فقال:لاواللہ؛ ولکنی کرھت ان انازع قوماً حقاً جعلہ اللہ لھم۔

ولما رأت الاوس ماصنع بشیر بن سعد ،وما تدعُواالیہ قریش،وما تطلب الخزرج من تأمیر سعد بن عبادۃ،قال بعضھم لبعض،وفیھم أسَید ابن حضیر۔وکان احد النقباء: واللہ لئن ولیتّھاالخزرج علیکم مرّۃ لازالت لھم علیکم بذلک الفضیلۃ،ولاجعلوا لکم معھم فیھا نصیباً أبداً فقوموا فبایعواأبابکر۔فقاموا الیہ فبایعوہ،فانکسر علی سعد بن عبادۃ وعلی الخزرج ماکانوا أجمعو لہ من امرھم۔قال ھشام :قال أبومخنف:فحدثنی ابوبکربن محمد الخُزاعی،أن أسلَم أقبلت بجماعتھا حتی تضایَق بھم السکک ،فبایعواابابکر؛فکان عمریقول: ماھو الاّ أن رأیتُ أسلم فأیقنتُ بالنصر۔قال ھشام،عن أبی مخنف:قال عبداللہ بن عبدالرحمن: فأقبل الناس من کلّ جانب یبایعون أبا بکر ،وکادوایطؤن سعد بن عبادۃ،فقال ناس من أصحاب سعد: اتقوا سعداً لاتطئوہ،فقال عمر: اقتلوہ قتلہ اللہ! ثم قام علی رأسہ،فقال:لقد ھممتُ أن أطأَک حتی تُنذرَعضُدکَ؛ فأخذ سعد بلحیۃ عمر،

فقال:واللہ لوحصصتَ منہ شعرہ مارجعت وفی فیک واضحۃ؛ فقال ابوبکر: مھلاً یاعمر!الرّفق ھاھنا أبلغ۔فأعرض عنہ عمر۔وقال سعد:أماواللہ لوأن بی قوۃ ما،أقوی علی النھوض،لسمعتَ منّی فی أقطارھا وسکّکھا زئیراً یجُحِرکَ واصحابک؛ أما واللہ اِذاً لأُلحقنک بقوم کنتَ فیھم تابعاً غیر متبوع!احملونی مِن ھذاالمکان،فحملوہ،فادخلوہ فی دارہ،وترک ایاماً ثم بعث الیہ أن أقبِل فبایع فقد بایع الناس وبایع قومک؛فقال: أما واللہ حتی أرمیکم بمافی کنانتی من نَبلی ،وأخضِب سنان رمحی،وأضربکم بسیفی ماملکتہ یدی،وأقاتلکم بأھل بیتی ومن أطاعنی من قومی؛ فلا أفعل،وایمُ اللہ

لوأن الجن اجتمعت لکم مع الانس ما بایعتکم،حتی أعرَض علی ربّی ،وأعلم ما حسابی۔ فلما أتی ابوبکر بذلک قال لہ عمر: لاتدَعہ حتی یبایع۔ فقال لہ بشیر بن سعد: انہ قد لجّ وأبی؛ولیس بمبایعکم حتی یُقتل،ولیس بمقتول حتی یُقتل معہ ولدہ وأھل بیتہ و طائفۃ من عشیرتہ؛ فاترکوہ فلیس ترکہ بضارّکم؛انما ھو رجل واحد۔ فترکوہ وقبلوا مشورۃ بشیربن سعدوا ستنصحوہ لما بدالھم منہ؛فکان سعد لایصلّی بصلاتھم،ولا یجمع معھم ویحج ولا یُفیض معھم بافاضتھم؛ فلم یزل کذلک حتی ھلک ابوبکر رحمہ اللہ۔

ترجمہ:ہشام بن محمد نے ابو مخنف سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری کہتے ہیں کہ جب پیغمبرؐ کی رحلت ہوئی تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور کہاکہ محمدؐ کے بعد اس کام (امرولایت)کو سعد بن عبادہ کے سپرد کردواور سعد بن عبادہ جو،ان دنوں بیمار تھے انہیں بھی وہاں لے آئے،جب سب جمع ہوگئے تو سعد بن عبادہ نے اپنے بیٹے یا چچا زاد بھائی سے کہا کہ بیماری کی وجہ سے میری آوازتمام لوگوں تک نہیں پہونچ سکتی لہٰذا تم میری بات سنو اور ان تک پہونچادو،اسکے بعد سعد نے گفتگو شروع کی اور وہ شخص سعدکی بات کو سن کر بلند آواز سے بیان کرتا رہا تاکہ سب سن لیں۔ سعد نے خدا کی حمدوثنا کے بعد کہا کہ اے گروہ انصار اسلام میں درخشاں ماضی کے سبب جو شرف تم لوگوں کوحاصل ہے وہ عرب میں کسی کوحاصل نہیں، محمدؐ تقریباً دس سال اپنی قوم کے درمیان رہے،انہوں نے خدائے رحمن کی عبادت کا حکم دیااور بتوں کی پرستش سے روکا مگر کچھ ہی لوگ ایمان لائے اور وہ چند افراد پیغمبر اسلامؐ کا دفاع اور اسلام کی حمایت کی قدرت نہیں رکھتے تھے اورنہ ظلم وستم سے بچ سکتے تھے یہاں تک کہ خدا نے تم لوگوں کو عزت وشرف بخشا،اپنے اوراپنے رسول پر ایمان کی نعمت سے نوازا نیز پیغمبر اسلامؐ اور انکے دوستوں کے دشمنوں سے مقابلہ کی ذمہ داری تمہیں سونپ دی،اورتم لوگوں نے انکے دشمنوں سے اپنا پرایا دیکھے بغیر خوب مقابلہ کیا اور سختیاں برداشت کیں یہاں تک کہ عرب نہ چاہتے ہوئے بھی حکم خدا کے سامنے تسلیم ہوگئے اور اطاعت کرنے لگے،خدا نے تم لوگوں کی مدد سے اس سرزمین کو پیغمبرؐ کا مطیع بنایا ،اور عرب تم لوگوں کی شمشیرکے خوف سے انکے اردگرد جمع ہوگئے ،اور جب خدا نے انہیں اس حال میں اپنے پاس بلایا تو وہ تم لوگوں سے راضی وخوشنود تھے،لہٰذا اس امر ولایت وحکومت کو لے لو اور اسے دوسروں کے

حوالے نہ کرو اس لئے کہ یہ صرف تم لوگوں کا حق ہے۔ سب نے کہا کہ آپ کی یہ رائے نہایت مناسب اور بالکل صحیح ہے، ہم آپ کی اس رائے سے اختلاف نہیں کریں گے لیکن ہم اس کام کی ذمہ داری خود آپ پر عائد کرتے ہیں اس لئے کہ آپ کفایت شعار اور تمام مومنین کے نزدیک موردِ رضایت ہیں۔ اسکے بعد آپس میں گفت وشنید ہونے لگی اور کہنے لگے کہ اگر قریش کے مہاجرین اس بات پر راضی نہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم پیغمبرؐ کے دیرینہ یارومددگار، اُنکے عزیز، اور ہمیشہ سے ان کے دوست ہیں اور اب پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد تم لوگ ہم سے اس امر ولایت وحکومت میں جھگڑ رہے ہو توکیا جواب دینگے؟ تو ایسے میں ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اگر مہاجرین نے ایسا کیا تو ہم ان سے کہیں گے کہ ایک امیر تمھارا ہوگا اور ایک امیر ہمارا اور کسی بھی صورت اس کے علاوہ راضی نہ ہونگے، جب سعد بن عبادہ نے یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ ہ تمہاری پہلی غلطی ہوگی ۔

جب عمر اس واقعہ سے باخبر ہوئے تو سیدھے ابوبکر کے پاس گئے جو اسوقت پیغمبرؐ کے گھر میں تھے جبکہ علیؑ پوری توجہ کے ساتھ پیغمبرؐ کے غسل وکفن میں مصروف تھے ابو بکر کو پیغام دیا کہ باہر آؤ مگر ابوبکر نے کہا کہ میںیہاں مصروف ہوں لیکن عمر نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ باہر آؤ ضروری کام ہے یہ سن کر ابوبکر باہر آگئے، عمر نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے ہیں تاکہ اس امر (ولایت وحکومت) کو سعد بن عبادہ کے حوالے کردیں جبکہ ایک گروہ نے یہ رائے پیش کی ہے کہ ایک امیر تمھارا ہوگا اور ایک امیر ہمارا، یہ سنکر ابوبکر، عمر تیز رفتاری سے سقیفہ کی طرف چل دئے راستے میں ابوعبیدہ جراح سے ملاقات ہوئی اور پھر تینوں سقیفہ کی طرف روانہ ہولئے، اتنے میں عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ سے بھی ملاقات ہوئی انہوں نے کہا کہ پلٹ جاؤ اس لئے کہ تم لوگ جو چاہتے ہو وہ نہیں ہوگا مگر ان تینوں نے جواب دیا کہ ہم واپس نہیں پلٹیں گے اور انصار کے اجتماع میں جاپہنچے۔ عمر نے کہا کہ جب ہم وہاں پہنچ گئے تو میں نے اپنے ذہن میں کچھ باتیں تیار کر رکھی تھیں اور چاہتا تھا کہ انہیں بیان کروں ابھی میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ابوبکر نے کہا ٹھرو ذرا صبر کرو پہلے میں اپنی بات کہہ لوں اسکے بعد جو چاہے کہنا، ابو بکر نے بات شروع کی، عمر کا

کہنا ہے کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ سب کچھ ابو بکر نے کہہ دیا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ۔ عبداللہ بن عبد الرحمٰن[1] کا کہنا ہے کہ ابو بکرنے خدا کی حمد وثنا کے بعد کہا کہ خدا نے محمدؐ کو اپنی مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور اپنی امت کے لئے گواہ بنایا تاکہ وہ خدا کی عبادت کریں اور اسکی وحدانیت پرایمان لائیں جب کہ یہ وہ وقت تھا کہ وہ کئی خداؤں کی پرستش کرتے تھےاور یہ خیال کرتے تھے کہ یہ لکڑی اور پتھروں کے بت خدا کے نزدیک انکے شفیع اور مددگار ہیں ۔ اسکے بعد ابوبکر نے قرآن کی اس آیت کی تلاوت کی جس میں خدا فرماتا ہے ''اور وہ خدا کے علاوہ ان چیزوں کی عبادت کرتے تھے کہ جو نہ ان کے لئے باعث نقصان ہے اور نہ مفید اور کہتے تھے کہ یہ خدا کے نزدیک ہمارے شفیع ہیں[2] ۔

اور ہم انکی عبادت فقط خدا سے نزدیک ہونے اور اسکے تقرب کے لئے کرتے ہیں[3] گویا عربوں کیلئے یہ نہایت سخت مرحلہ تھا کہ وہ اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑدیں اور یہ مہاجرین وہ پہلی قوم ہیں جنھوں نے پیغمبرؐ کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے اور ان کے ساتھ ہمدردی کی اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا جب انکی قوم انہیں سخت قسم کی اذیتیں دیتی اور انہیں جھٹلاتی تھی،تمام لوگ انکے مخالف اور انکے خلاف قیام کئے ہوئے تھے لیکن یہ اپنی قلت، قوم کی مخالفت اور دشمنی کے باوجود نہیں ڈرے اور یہ سب سے پہلے افراد تھے جنھوں نے اس سرزمین پر خدا کی عبادت کی اور خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور یہ لوگ پیغمبرؐ کے دوست اور عزیز ہیں لہٰذا اب پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد وہ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں اور جو بھی ان سے لڑائی جھگڑا کرے وہ ظالم ہے اور اے گروہ انصار کوئی بھی شخص دین کی نصرت کے سلسلے میں تم لوگوں کے درخشاں ماضی کا منکر نہیں ہے ۔

خدا نے تم لوگوں کو اپنے دین اور اپنے پیغمبرؐ کا انصار بنایااور اپنے پیغمبرؐ کی ہجرت کے لئے تم لوگوں کا انتخاب کیا اور انکی اکثر ازواج مطہرہ اور اصحاب تم لوگوں میں موجودہیں ، لہٰذا سابقہ مہاجرین کے علاوہ کوئی شخص بھی ہمارے نزدیک تم لوگوں سے زیادہ

---

[1] اس واقعہ کے راوی ہیں۔
[2] یونس آیت ۱۸
[3] زمر آیت ۳

عزیز نہیں ہے، پس ہم امیر ہیں اور تم لوگ وزیر تم لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیا جائے گا ۔ ایسے میں حباب بن منذر بن جموح کھڑا ہوئے اور کہا اے گروہ انصار اپنا حق لے لو اس لئے کہ یہ لوگ تم لوگوں کے مرہون منت ہیں اور کوئی شخص بھی تم لوگوں کی مخالفت کی جرأت نہیں رکھتا اور لوگ تم لوگوں کے حق میں ہی رائے دینگے ،تم لوگ ہی مکمل عزت و شرف ،قدرت، تجربہ اور شجاعت کامل کے مظہر ہو ۔ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ تم لوگ کیا کرتے ہو (تاکہ وہ ویسا ہی کریں)آپس میں اختلافات نہ کرنا ورنہ تباہ وبرباد اور پست ہمت ہوکر رہ جاؤگے اگر یہ لوگ اس بات کو قبول نہیں کرتے تو پھر ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر ان میں سے ہوگا ۔

عمر نے کہا کہ دو (تلواریں)ایک نیام میں نہیں رہ سکتیں[1] خدا کی قسم عرب ہرگز اس بات کو قبول نہیں کریں گے کہ حکومت تم لوگو ں کے حوالے کردی جائے جبکہ پیغمبرؐ تم لوگوں میں سے نہیں ہیں لیکن ان کے لئے اس بات میں کوئی قباحت نہیں کہ حکومت اورا سکے امور کی ذمہ داری ان افراد کے سپرد کردی جائے کہ جن سے پیغمبرؐ کا تعلق تھا ہمارے پاس اس سلسلے میں مخالفین کے لئے واضح اور روشن دلیل ہے ،اور جو شخص بھی محمدؐ کی ولایت کے سنبھالنے میں ہماری مخالفت کرے گا تو وہ گمراہ،خطا کار اورہلاک ہونے والوں میں سے ہوگا اس لئے کہ ہم انکے دوست اور انکے خاندان والے ہیں ۔

اتنے میں حباب بن منذر کھڑا ہوئے اور کہاکہ اے گروہ انصار، خبردار اس شخص اور اسکے دوستوں کی باتوں میں نہ آنا،یہ چاہتے ہیں کہ اس امر میں سے تمہارے حصے کو ختم کردیں اور اگر وہ تم لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں تو انہیں اپنے علاقہ سے باہر نکال دو اور حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لوکہ تم لوگ ان سے زیادہ اسکے مستحق ہو ،اس لئے کہ تم ہی لوگوں کی شمشیر زنی کی بدولت لوگ مسلمان ہوئے ہیں، میں تجربہ کار اور زمانہ کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہوں اگر تم لوگ چاہو تو از سر نو آغاز کریں ۔ عمر نے کہاکہ خدا تجھے ہلاک کرے تو حباب نے جواب میں کہاکہ خدا تجھے بھی ہلاک کرے ۔ابو عبیدہ نے کہا اے گروہ انصار تم لوگوں نے

[1] دوسری روایت میں حضرت عمر کایہ جملہ اس طرح ہے''دو تلواریں ایک غلاف میں نہیں رہ سکتیں''

سب سے پہلے دین کی نصرت اور مدد فرمائی لہٰذا اسے اپنے اصل راستے سے منحرف کرنے اور تبدیل کرنے میں پہل نہ کرو،نعمان بن بشیر کے والد بشیر بن سعد کھڑے ہوگئے اور کہا اے گروہ انصار!اگر ہمیں اس دین میں درخشاں ماضی اور مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کی فضیلت حاصل ہے تو یہ کام ہم نے اپنے لئے نہیں،بلکہ خدا اور اسکے رسولؐ کی رضا وخوشنودی اور اطاعت کی خاطر کیا ہے ،اب یہ نامعقول بات ہے کہ اسکی وجہ سے ہم دوسروں پر اپنی برتری جتائیں ہم نے جو کچھ کیا مال دنیا اکٹھا کرنے کی خاطر نہیں کیا،یہ توہم پر خدا کا ایک احسان تھا ۔

جان لو کہ محمدؐ کا تعلق قریش سے ہے اور انکی قوم اس امر کی زیادہ حقدار ہے خدا نہ کرے کہ ہم ان سے اس امر پر لڑیں خدا سے خوف کرواور اس بات پر ان سے لڑائی جھگڑا مت کرو،ابو بکر نے کہا کہ یہ عمر ہے اور یہ ابو عبیدہ ،ان میں سے جس کی چاہے،بیعت کرلو لیکن عمر اورابو عبیدہ نے کہا کہ جب تک تم موجود ہو ہم اس عہدہ کی ذمہ داری نہیں لے سکتے،اس لئے کہ تم مہاجرین میں سب سے بہتر اور پیغمبرؐ کے غار کے ساتھی ہو،تم کو نماز میں پیغمبرؐ کی جانشینی کا شرف حاصل ہے اور نماز مسلمانوں کے دین کا سب سے اہم رکن ہے،پھر کون تم سے زیادہ اس حق اور اس عہدہ کا سزاوار ہوسکتا ہے ؟

لہٰذا اپنا ہاتھ آگے لاؤ تاکہ تمہاری بیعت کی جائے۔ابھی یہ دونوں ابو بکر کی بیعت کرنا ہی چاہتے تھے کہ بشیر بن سعد نے ان سے پہلے آگے بڑھ کر بیعت کرلی، حباب بن منذر نے بشیر سے کہا :اے بشیر یہ تم نے اچھا کام نہیں کیا،آخر کس چیز نے تمہیں اس کام پر مجبور کیا؟ کیا چچا زاد بھائی[۱] کی حکومت کے حسد نے؟کہا ہرگز نہیں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ جو حق خدا نے انہیں دیا ہے اس میں ان سے نہ لڑوں۔ جیسے ہی قبیلہ اوس والوں نے بشیر بن سعد کا یہ عمل دیکھا اور قریش کی دعوت سنی یہ سمجھ گئے کہ خزرجی (قبیلہ خزرج والے)سعد بن عبادہ کی حکومت چاہتے ہیں تو بعض افراد نے (جن میں اُسید بن حضیر جو حریفوں میں سے تھا)بعض سے کہا کہ خدا کی قسم اگر خزرجی ایک دفعہ بھی تم پر حاکم بننے میں کامیاب ہوگئے توہمیشہ تم پر برتری جتائیں گے اور حکومت میں تمہیں کسی قسم کا کوئی

[۱] سعد بن عبادہ بشیر بن سعد کے چچا زاد بھائی تھے۔

حصہ نہ دینگے ،اٹھو اور ابوبکر کی بیعت کرو بس وہ سب اٹھے اور ابوبکر کی بیعت کرلی، اس طرح وہ پلان جس پر سعد بن عبادہ اور خزرجی متحد ہوگئے تھے خراب ہوکر رہ گیا۔ ابوبکر بن محمد خزاعی کا کہنا ہے کہ قبیلہ اسلم نے بھی اس اجتماع میں حاضر ہوکر ابوبکر کی بیعت کرلی تھی، عمر کا کہنا ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ قبیلہ اسلم کے افراد بیعت کررہے ہیں تو اپنی کامیابی کا یقین ہوگیا،عبداللہ بن عبدالرحمٰن کا کہنا ہے کہ ہر طرف سے لوگ ابوبکر کی بیعت کے لئے آرہے تھے یہاں تک کہ سعد بن عبادہ کے کچل جانے کاڈرہوا، اسی اثنا میں اس کے چاہنے والوں میں سے ایک نے کہا کہ ذرا ہوشیار کہیں ایسا نہ ہو کہ سعد بن عبادہ کچل جائیں، عمر نے کہا کہ اسے ماردو کہ خدا اسے ہلاک کرے پھر سعد بن عبادہ کے پاس آکر کہنے لگے میں تو چاہتا تھا کہ تمہیں کچل کر رکھ دوں اور تمہارے دونوں ہاتھ توڑدوں، سعد نے بھی عمر کی داڑھی کو پکڑ لیا اور کہا خدا کی قسم اگر میرا ایک بال بھی کم ہوجاتا تو تمھاری جان بھی سالم نہ رہتی ،اسی اثنا میں ابوبکر نے عمر سے کہاکہ صبر و تحمل سے کام لو یہاں نرمی بہتر ہے اسکے بعد عمر اس کے پاس سے ہٹ گئے۔ سعد نے کہا کہ اگر مجھ میں کھڑے ہونے کی ہمت و طاقت ہوتی تو مدینے کی گلی کوچوں میں اتنی چیخ وپکار کرتا کہ تم اور تمہارے ساتھی کہیں نظر نہ آتے ،خدا کی قسم میں تمہیں ایسوں کے پاس بھیجتا کہ تم ان کی اتباع کرتے نہ یہ کہ وہ تمہاری اتباع کرتے ،مجھے یہاں سے لے چلواور پھر خزرجی اسے اسکے گھر لے گئے۔

حکام نے چند روز تک اس سے کوئی سروکار نہ رکھا اسکے بعد اس کے پاس ایک شخص کے ذریعہ پیغام بھجوایاکہ آکر بیعت کروکہ تمام افراد اور تمہاری قوم نے بھی بیعت کرلی ہے،سعد نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ہر گز تمہاری بیعت نہ کرونگا یہاں تک کے میرے ترکش میں جتنے تیر ہیں سب کومار مار کر ختم کردوں اور نیزہ کی نوک کو خون سے رنگین کردوں اور بھرپور طاقت سے تم پر تلوار کا وار کروں اور اپنے دوستوں اور عزیز واقارب کے ساتھ مل کر تم سے لڑوں، خدا کی قسم اگر تمام انس وجن بھی تمہارے ساتھ مل جائیں پھر بھی تمہاری بیعت نہ کروں گا یہاں تک کہ خدا کے حضور میں حاضر ہوکراپنا نامہء عمل دیکھ لوں۔ جب یہ جواب ابوبکر کو ملا تو عمر نے کہا کہ جب تک کہ بیعت نہ کرے اسکا پیچھا نہ چھوڑنا لیکن بشیر بن سعد نے کہاکہ وہ ہٹ دھرم اورضدی ہے،بیعت نہیں کریگا چاہے اسے

قتل کردو اور وہ اس وقت تک قتل نہ ہوگا جب تک کہ اس کے بیٹے اہل خانہ اور قریبی عزیز قتل نہ ہوجائیں اس سے سروکار نہ رکھو کہ وہ تمہارے لئے مضر نہیں ہے وہ ایک شخص ہی تو ہے، انہوں نے بشیر بن سعد کے اس مشورہ کو قبول کرلیااور پھر سعد سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔ سعد نہ ان کی نماز جماعت میں آتا تھا اور نہ ہی اجتماعات میں شرکت کرتا تھا اور جب حج پر جاتااس وقت بھی انکے ساتھ نہیں ٹہرتا تھایہاں تک کہ ابوبکرانتقال کرگئے خدا ان پر رحمت نازل کرے ۔

تیسرا حصہ

''سقیفہ کے رونما ہونے کی صورت حال''

تمہید

عام طور سے تاریخ میں رونما ہونے والے ہر حادثہ کا پیش خیمہ کوئی نہ کوئی گذرا ہوا واقعہ ہوتاہے بلکہ ممکن ہے کہ گذرے ہوئے واقعہ کو آئندہ واقع ہونے والے واقعہ کی علت کہا جائے، واقعہء سقیفہ اگرچہ ایک اتفاقی اور ناگہانی حادثہ تھا لیکن گذشتہ عوامل اس کے وقوع پذیر ہونے میں مؤثر تھے۔ روایت ابی مخنف خود اس اہم واقعہ کو تو بیان کرتی ہے مگر اس کے عوامل واسباب کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتی یا بہتر ہے کہ یہ کہا جائے کہ تاریخ طبری نے ابو مخنف کی کتاب سقیفہ میں سے صرف اسی حصہ کو نقل کیا ہے اور اگر ہمارے پاس خود اصلی کتاب موجود ہوتی تو شاید اسکے مختلف پہلوؤں سے مزید واقفیت ہوتی بہر حال ہر محقق اصل واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے اس کے علل واسباب کی تلاش میں رہتا ہے اور اجمالی طور پر پیغمبر اسلامؐ کے زمانے کے حالات و واقعات سے آگاہی ذہن میں مختلف اعتراضات کا سبب بنتی ہے خاص طور پر جب واقعہ غدیر پر نظر کی جائے۔

اس لئے کہ حدیث غدیر کا شمار متواتر احادیث میں ہوتا ہے[1] کہ شیعہ اور سنی اس پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے بعد اٹھارہ ذی الحجہ کو غدیر خم کے مقام پر تمام افراد کو ٹہرنے کا حکم دیا اورپھر ایک طویل خطبہ پڑھا اور فرمایا ''من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ''،جسکا میں مولا ہوں بس علیؑ بھی اس کے مولا ہیں،تاریخ کے اس اہم واقعہ کے رونما ہونے میں کسی بھی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے ۔رسول اکرمؐ کے قول کی صراحت اور بے شمار قرائن حالیہ اور مقالیہ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ

---

[1] اس روایت کی تمام اسناد کو علامہ امینی نے اپنی کتاب ''الغدیر''میں بیان کیا ہے ۔

مولا سے مراد ولایت اور جانشینی ہی ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی منصف مزاج اور مخلص محقق اس قدر شواہد اور ادلہ کے باوجود اس بات میں ذرا سی بھی تردید رکھتا ہو۔ پھر آخر کیا ہوا کہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد ابھی واقعہء غدیر خم کو دوماہ اور چند روز ہی گزرے تھے کہ لوگوں نے ہر چیز کو بھلادیا تھا، اور سب سے عجیب بات یہ ہے وہ انصار جو اسلام میں درخشاں ماضی رکھتے تھے جنہوں نے اس سلسلے میں اپنی جان ومال تک کی پروا نہ کی وہ سب سے پہلے سقیفہ میں جمع ہوکر خلیفہ اور جانشین پیغمبرؐ کا انتخاب کرنے لگے۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ شیعہ اور سنی روایات [1] کے مطابق پیغمبرؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب، پیغمبر اسلامؐ کی زندگی کے آخری لمحات تک آنحضرتؐ سے یہی پوچھتے رہے کہ کیا آپ کے بعد ولایت وولی عہدی ہمارے خاندان میں ہے؟ اگر ہے تو ہم اسے جان لیں اور اگر نہیں ہے تو لوگوں کو ہمارے بارے میں وصیت کردی جائے۔

اگر پیغمبرؐ نے حکم وحی سے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنادیا تھا تو اس سوال کا کیا مطلب؟ اور وہ بھی نزدیک ترین فرد کے ذریعے ؟یہ ایک ایسا سوال ہے جو مستند اور صحیح جواب چاہتا ہے اور فقط چند ادبی عبارتوں اور شاعرانہ گفتگو سے اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔ اس سوال کے مستند اور صحیح جواب کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان واقعات پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے جو پیغمبر اسلامؐ کی بعثت سے لے کر واقعہ سقیفہ تک رونما ہوئے، اور ان کے عوامل واسباب کا بغور جائزہ لیا جائے، پھر سقیفہ کے واقعے کی ابو مخنف کی روایت کی روشنی میں تحقیق کی جائے۔

ہجرت سے لیکر غدیر خم تک کے واقعات ۔ ا۔ پیغمبر اسلامؐ کی ہجرت کے اسباب: پیغمبر اسلامؐ کواپنی نبوت کے ابتدائی حصہ ہی میں قریش سے تعلق رکھنے والے بدترین دشمنوں کا سامنا کرنا پڑا اور بے انتہا زحمت ومشقت کے بعد بھی صرف چند لوگ ہی مسلمان ہوئے ان میں سے اکثر کا تعلق معاشرے کے غریب وفقیر عوام سے تھا جبکہ امیر اور دولت مند افراد آپ کی مخالفت پر اڑے ہوئے تھے اور اسلام کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکن کوششیں کرتے رہے لہٰذا انہوں نے آپؐ کو اس قدر تنگ کیا کہ آپؐ کے پاس

[1] الارشاد: شیخ مفید ج۱ص۱۸۴،الطبقات الکبریٰ:ج۱ص۲۴۵،الامامۃ والسیاسۃ :ص۲۱، السقیفہ وفدک: ص۴۵،تاریخ طبری : ج۳ص۱۹۳،۱۹۲

ہجرت کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ تھا۔ پیغمبر اسلامؐ نے دین اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ برتی بلکہ ذرا سی فرصت سے بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے رہے،یہی وجہ تھی کہ جب آپ کی ملاقات بزرگان مدینہ اور وہاں کے معزز افراد سے ہوئی تو آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام کو قبول کرلیااور پیغمبر اسلامؐ سے عہد وپیمان کیا جسے ''بیعتالنساء'' کہا جاتاہے،شاید اسکے بیعۃ النساء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس عہد وپیمان میں کوئی جنگی معاہدہ نہیں ہوا تھا[1]۔ مشرکان قریش نے اسلام کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے پیغمبر اسلامؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا لیکن پیغمبر اسلامؐ وحی کے ذریعہ انکے ارادہ سے باخبر ہوگئے لہٰذا آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ رات کو پوشیدہ طور پر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرجائیں تاکہ مشرکین آپؐ کے مکہ سے باہر جانے سے باخبر نہ ہونے پائیں آپؐ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور اس طرح حضرت علیؑ نے پیغمبرؐ کی جان پر اپنی جان کو فدا کردیااور اطمینان کے ساتھ پیغمبرؐ کے بستر پر لیٹ گئے اوراپنے یقینِ کامل اور مستحکم ایمان کی وجہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی شک وتردید اور خوف وہراس کا شکار نہ ہوئے اور اپنے آپ کو ایسے خطرہ میں ڈال دیا کہ جس کے بارے میں جانتے تھے کہ کچھ ہی دیر بعد دشمنوں کے نیزے اور تلواریں مجھ پر ٹوٹ پڑیں گی پیغمبرؐ نے اس فرصت سے فائدہ اٹھایا اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرگئے۔

ہجرت کے بعد کے حالات اور پیغمبرؐ کی حمایت میں انصار کا کردار:آخر کار پیغمبر اسلامؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اہل مدینہ نے پیغمبرؐاور دوسرے تمام مہاجرین کا شاندار استقبال کیااور پیغمبر اسلامؐ اور دین خدا کی خاطرانکے سخت ترین کینہ پرور دشمنوں یعنی مشرکین مکہ کے سامنے سینہ سپر ہوگئے اورسچ بات تویہ ہے کہ اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی کوشش اور قربانی سے دریغ نہ کیا، قرآن نے سورۂ حشر[3]میں ان کے ایثار و فداکاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی مدح سرائی کی ہے۔ مختصر یہ کہ انصار پیغمبر اسلامؐ کی حمایت اوردین اسلام کی بقاء وترقی کی خاطر مشرکین قریش سے نبرد آزما ہونے اور اپنے آپ کو سخت ترین جنگوں میں مشغول رکھنے پر آمادہ ہوگئے،انہوں نے جو پہلی جنگ مشرکین قریش سے لڑی وہ جنگِ بدر تھی جس میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی، اس کے

---

[1] السیرۃ النبویہ:ابن ہشام ۔ج۲ص ۷۳۔
[2] تاریخ طبری:ج۲ص ۳۷۲،التفسیر الکبیر:ج۶ص۵۰۔
[3] آیت ۱۹۔

باوجود مشرکین قریش کے ستر افراد کو قتل کردیا جن میں اکثر سردار قریش تھےاور مسلمانوں کے کل چودہ افراد شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے جن میں آٹھ افراد کا تعلق انصار سے تھ[1] ۔ابھی جنگ بدر کو ختم ہوئے کچھ وقت نہ گزرا تھاکہ جنگ احد واقع ہوگئی اور اس میں بھی مسلمان، مشرکین کے تیئیس افراد ہلاک کرنے میں کامیاب ہوگئے لیکن بعض مسلمانوں کی تساہلی کی وجہ سے جنہیں عینین نامی پہاڑی پر جمے رہنے کو کہا گیا تھا مسلمانوں کے تقریباً ستر افراد شہید ہوگئے[2] ۔ معمولاً دو بڑی جنگوں کے درمیان کچھ سریہ اور غزوات بھی یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوتے رہتے تھے۔ ہجرت کے پانچویں[3] سال تمام دشمنان اسلام متحد ہوگئے اور اسلام کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ کا اس طرح محاصرہ کیا کہ پورے مدینہ میں خوف وہراس پھیل گیا،تاریخ میں اس جنگ کو جنگ خندق یا جنگ احزاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

لیکن مولا علیؑ کی شجاعت وبہادری اورآپ کی وہ تاریخی ضربت جو آپ نے عمرو بن عبدود (جو عرب کا ایک نامور پہلوان تھا) کے سر پر لگائی تھی اس نے اس جنگ کو مسلمانوں کے حق میں کردیااور پھر شدید بارش اور طوفان کی وجہ سے مشرکین نہایت خوف زدہ ہوگئے اورانہوں نے مدینہ کا محاصرہ ختم کردیا[4] ،مجموعی طور پر پیغمبر اسلامؐ نے مدینہ ہجرت کے بعد دس سال کے عرصہ میں چوہتر جنگوں کا سامنا کیا جن میں سریہ اور غزوات بھی شامل تھے[5]،ان تمام جنگوں میں انصار نے اہم کردار ادا کیا یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسلام نے انصار کی مدد کی وجہ سے کافی ترقی کی اور اسی نصرت ومدد کی وجہ سے پیغمبر اسلامؐ نے انہیں انصار کے نام سے یاد کیا۔ مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا تھااور اس دوران بعض لوگ تو اسلام کو حق سمجھتے ہوئے مسلمان ہورہے تھے جبکہ بعض افراد اسلام کی قدرت اور شان وشوکت دیکھ کر یا پھر اس منفعت کے مدنظر مسلمان ہوئے جو انہیں اسلام قبول کرنے کے بعد حاصل

---

[1] تاریخ یعقوبی۔ ج۲ص ۴۵،۴۶
[2] الکامل فی التاریخ۔ ج۱ص ۵۳۹۔
[3] تاریخ یعقوبی ۔ج۲ص ۴۹
[4] الکامل فی التاریخ۔ج۱ص ۵۶۸
[5] تاریخ یعقوبی ۔ج۲ص۵۰
[6] الطبقات الکبریٰ۔ ج۲ص ۵،۶ (غزوات کی تعداد ۲۷ اور سریہ کی تعداد۴۷،غزوہ یعنی وہ جنگ جس میں پیغمبر اکرمؐ خود شریک تھے ،سریہ یعنی وہ جنگ جس میں پیغمبر اکرمؐ خود شریک نہیں تھے بلکہ کسی کی سپہ سالاری میں فوج بھیج دیتے تھے)

ہو سکتی تھی۔ بالآخر آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور اسلام سارے جزیرۃ العرب پر چھا گیا، اہل مکہ نے جب اسلام کے سپاہیوں کی یہ شان وشوکت دیکھی تو ان کے پاس اسلام لانے کے علاوہ کوئی دوسری راہ نہ تھی [1]، اس وقت مسلمانوں کی تعداد اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی لیکن وہ ایمانی لحاظ سے مضبوط نہ تھے اور چند حقیقی مسلمان اور پیغمبرؐ کے مطیع وفرمانبردار افراد کے علاوہ اگر بقیہ تمام افراد کو مصلحتی مسلمان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے اب انصار جزیرۃ العرب کے تنہا مسلمان نہ تھے بلکہ مسلمانوں کے جم غفیر میں ایک چھوٹی سی جماعت کی حیثیت رکھتے تھے لیکن پیغمبر اسلامؐ ہمیشہ انصار کی حمایت اور ان کی قدر دانی کرتے تھے اس لئے کہ انہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا تھا، عرصہ درازتک پیغمبر اسلامؐ کی تعلیم وتربیت کے زیر سایہ رہنے کی وجہ سے ان کی اکثریت باایمان تھی یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی انہیں فراموش نہ کیا اور ان کے سلسلے میں سب کو یہ وصیت فرمائی۔ ''انھم کا نوعیبتي التي أویتُ الیھا فأحسنوا الی محسنھم وتجاوزوا عن مُسیءھم [2]'' ''انصار میرے قابل اعتماد اور ہم راز تھے میں نے ان کے پاس پناہ لی لہٰذا ان کے نیک افراد کے ساتھ نیکی اور انکے بروں سے درگذر سے کام لینا'' انصار بھی پیغمبر اسلامؐ کی عنایات اور حمایت کی وجہ سے ہمیشہ جوش وخروش سے سرشار رہتے تھے۔

حضرت علیؑ کی جانشینی کے سلسلے میں ابلاغ وحی کی کیفیت: سورہ [اذا جاء نصر اللہ والفتح [3] نازل ہونے کے بعد پیغمبر اسلامؐ اس قسم کے جملے ادا کر رہے تھے جن سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب آپؐ کی وفات کے دن نزدیک ہیں [4] نیز حجۃ الوداع میں آپؐ مختلف خطبات میں صریحی یاغیر صریحی طور پر اپنی وفات کے نزدیک ہونے سے باخبر کر رہے تھے [5] تو ایسی صورت میں یہ ایک طبیعی و فطری بات تھی کہ لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ پیغمبرؐ کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کے امور کس کی زیر قیادت انجام

---

[1] تاریخ یعقوبی :ج۲ص۶۰(قریش نہ چاہتے ہوئے بھی حکم خدا کے سامنے تسلیم ہوگئے)

[2] السیرۃ النبویہ ابن ہشام: ج ۴ص۳۰۰،الطبقات الکبریٰ: ج۱ص۲۵۱،۲۵۰،انساب الاشراف: ج۲،ص۷۲، نہج البلاغہ: خطبہ۶۸،ص۵۲

[3] سورہ مبارکہ نصر:آیت ۱(جب خدا کی مدد اور فتح کی منزل آجائے گی)

[4] الطبقات الکبریٰ ج۱ص۱۹۳،۱۹۲۔

[5] الطبقات الکبریٰ ج۱ص۱۸۱۔

پائیں گے اور آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہوگا؟ظاہری طور پر ہر قوم وقبیلے کی یہی کوشش تھی کہ پیغمبر اسلامؐ کا جانشین ان میں سے ہو اور اس سلسلے میں وہ اپنے آپ کو اس امر کا زیادہ سزاوار سمجھتے تھے اور اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ اگرچہ پیغمبر اسلامؐ مختلف مواقع پر حضرت علیؑ کی جانشینی کا اعلان کر چکے تھے[1]لیکن اب تک جو اعلان ہوا تھا معمولاً وہ بہت ہی کم افراد کے سامنے ہوا لہٰذا غدیر خم کے موقع پر یہ وحی آئی کہ اس بارے میں ہر قسم کے شک وشبہ کو دور کر دیا جائے اور حضرت علیؑ کی جانشینی کا واضح اعلان کیا جائے، وحی کے نزول کے بعد پیغمبر اسلامؐ مناسب موقع کی تلاش میں تھے تاکہ اس پیغام کو تمام لوگوں تک پہونچایا جا سکے لیکن چونکہ پیغمبر اسلامؐ اس وقت کے ماحول سے اچھی طرح واقف تھے لہٰذا ایسے ماحول کو ابلاغ وحی کے لئے مناسب نہیں سمجھتے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ پہلے اچھی طرح میدان ہموار ہو جائے اور نہایت مناسب موقع ملتے ہی وحی کے اس پیغام کو پہونچا دیا جائے،البتہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ وحی الٰہی نے صرف حضرت علیؑ کی خلافت اور جانشینی کے اعلان کا حکم دیا تھا اور اسکے اعلان کے لئے مناسب موقع کو پیغمبر اسلامؐ کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا[2] اب اگر بعض روایات[3] اس بات کی نشاندہی کرتی ہوں کہ پیغمبر اسلامؐ ابلاغ وحی کے سلسلے میں تاخیر سے کام لے رہے تھے تو اس کا مقصد ہرگز کوتاہی نہیں ہے جیسا کہ شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں کہ پیغمبرؐ پر پہلے ہی وحی نازل ہوگئی تھی لیکن اسکا وقت معین نہیں کیا گیا تھا۔

لہٰذا پیغمبر اسلامؐ ایک مناسب موقع کی تلاش میں تھے اور جب غدیر خم کے مقام پر پہنچے توآیہء تبلیغ نازل ہوئی[4] اور یہ کہ اس سلسلے میں پہلے ہی وحی آچکی تھی اور پیغمبر اسلامؐ مناسب موقع کی تلاش میں تھے اسکے لئے آیہء تبلیغ[5] خود منہ بولتا ثبوت ہے اس لئے کہ آیت میں کہا گیا ہے ''اے رسولؐ جو کچھ آپ پر وحی کی جا چکی ہے اسے پہونچا دیں'' اور اس کے بعد آیت تہدید کرتی ہے کہ اگر اس کام کو انجام نہ دیا تو رسالت کا کوئی کام انجام نہ دیا یعنی یقینی طور پر اس سلسلے میں آپ پر پہلے کوئی وحی ضرور نازل ہوئی ہے جب ہی تو

[1] جیسے،حدیث طیر،منزلت وغیرہ۔
[2] المیزان فی تفسیرالقرآن۔ج۶۴۴
[3] تفسیرعیاشی ۔ج۱ص۔۳۶۰،بحارالانوار۔ج۳۷ص۱۶۵،جامع الاخبار۔ص۱۰۔
[4] ارشاد۔ج۱ص۱۷۰۔
[5] سورہ مبارکہ مائدہ آیت ۶۷

آیت میں کہا گیا ہے کہ جو کچھ آپ پر نازل کیا جا چکا ہے اسے پہونچا دیجئے اور آیت میں جو تہدید موجود ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ مختلف اسباب کی بناپر ابلاغ وحی کو مناسب موقع کے لئے چھوڑے ہوئے تھے اور اسکے بعد آیت میں ارشادِ قدرت ہے ((واللہ یعصمک من الناس)) ''یعنی خدا آپؐ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا''۔اس آیت اور پیغمبر اسلامؐ کے ابلاغ وحی کی کیفیت پر غور کرنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس وقت کس قسم کے حالات درپیش تھے اور معاشرہ کس نہج پر تھا کہ پیغمبر اسلامؐ نے ابلاغ وحی میں مناسب موقع تک تاخیر کر دی؟اگر اس سوال کا صحیح اور درست جواب مل جائے تو اس سلسلے میں اٹھنے والے بہت سے شبہات اور سوالات کا جواب دیا جاسکتا ہے اور ہمیں اس وقت کے مسلمانوں کے سماجی اور سیاسی حالات کے بارے میں کافی حد تک معلومات ہو سکتی ہیں۔تو آئیے ان سوالات کے صحیح جوابات جاننے کے لئے ہم اُس دور کے مسلمانوں کے کچھ اہم سیاسی اور سماجی حالات کے بارے میں بحث اور تحقیق کرتے ہیں۔

۱۔نئے مسلمانوں کی اکثریت:اگرچہ پیغمبر اسلامؐ کی زندگی کے آخری لمحات میں مسلمانوں کی تعداد اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی مگر ان میں اکثریت نئے مسلمانوں کی تھی،اگرچہ ان میں ایسے افراد بھی تھے جو پختہ ایمان رکھتے تھے لیکن ایسے افراد کی تعداد ان افراد کے مقابلے کچھ بھی نہ تھی جو صلابتِ ایمانی کے مالک نہ تھے اس لئے کہ بعض افراد اپنے مفاد کی خاطر مسلمان ہوئے تھے تو بعض اقلیت میں رہ جانے کی وجہ سے اور ان کے پاس مسلمان ہونے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا ،اور بعض افراد ایسے بھی تھے جو آخری دم تک اسلام اور مسلمانوں سے لڑتے رہے اور جب لڑنے کے قابل نہ رہے تو پھر دوسرا راستہ اپنالیا ۔ ابوسفیان اور اس کے ماننے والے اسی قسم کے افراد تھے اور فتح مکہ میں انکا شمار طلقا (آزاد شدہ)میں ہوتا تھا لہذا ایسی صورتحال میں واضح سی بات ہے کہ اس امر عظیم کو پہونچانا کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ یہ بہت سی مشکلات کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔

[1] اس روایت کی روشنی میں جو یہ بیان کرتی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد لوگ مرتد ہوگئے تھے،جیسے روایت ابن اسحاق میں ہے کہ''ارتد العرب''(عرب مرتد ہوگئے)السیرة النبویہ:ابن ہشام۔ج۴ص۳۱۶۔

۲۔ مسلمانوں کے درمیان منافقین کا وجود: پیغمبر اسلامؐ کے دور میں ایک سب سے بڑی مشکل مسلمانوں کے درمیان منافقین کا وجود تھا یہ گروہ ظاہری طور پر مسلمان تھا مگر باطنی طور پر اسلام پر کسی قسم کا اعتقاد نہ رکھتا تھا بلکہ موقع ملتے ہی اسلام کو نقصان پہونچاتا اور مسلمانوں کی گمراہی کا سبب بنتا۔ قرآن کریم نے اس سلسلے میں مختلف سوروں میں سخت ترین لہجہ میں ان سے خطاب کیا ہے جیسے سورہ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انفال، توبہ، عنکبوت، احزاب، فتح، حدید، حشر اور منافقون نیز مجموعی طور پر قرآن میں سینتیس مقامات پر کلمہء نفاق استعمال ہوا ہے۔ یہ افراد جن کی تعداد جنگ احد میں تمام مسلمانوں کی ایک تہائی تھی ''عبداللہ بن ابی'' کی سرکردگی میں جنگ کرنے سے الگ ہوگئے اور مسلمانوں میں تفرقہ کا باعث بنے کہ سورۂ منافقون انہیں لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے[1] اب آپ خود سوچیں کہ جبکہ نہ ابھی اسلام کے اس قدر طرفدار موجود ہیں اور نہ اس کے پاس کوئی خاص اقتدار ہے اور اعتقاد کو چھپانے کا بھی کوئی خاص مقصد دکھائی نہیں دیتا اس کے باوجود مسلمانوں کی کل آبادی میں سے ایک تہائی تعداد منافقین کی تھی تو اب آپ اندازہ لگائیں کہ جب اسلام مکمل طور سے برسر اقتدار آگیا اور سارے جزیرۃ العرب پر چھا گیا تھا تو ان کی تعداد کس قدر بڑھ چکی ہوگی۔ پیغمبر اسلامؐ ہمیشہ اس گروہ کی مخالفت سے دوچار رہتے تھے اور خاص طور پر حجۃالوداع میں یہ تمام افراد پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ تھے اور یہ بات واضح و روشن تھی کہ یہ لوگ کسی بھی صورت حضرت علیؑ کی خلافت کو قبول نہ کرینگے اور فتنہ و فساد پھیلائیں گے اور امنیت خطرہ میں پڑجائے گی اور اس طرح خود اسلام اور قرآن کو نقصان پہنچے گا لہٰذا ایسی صورت حال کے پیش نظر پیغمبر اسلامؐ کا فکر مند ہونا خالی از امکان نہ تھا۔ پیغمبر اسلامؐ کی زندگی کے آخری لمحات تک منافقین کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا یہاں تک کہ حضرت عمر آپؐ کی وفات کا انکار کرتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ کچھ منافقین یہ خیال کررہے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ وفات پا گئے ہیں[2] اور اسی طرح بعض تاریخی کتابیں اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ اسامہ کے جوان ہونے پر اعتراض کرکے ان کی سرداری سے انکار کرنے والے افراد منافقین ہی تھے[3] یہ گروہ پیغمبر اسلامؐ کی زندگی میں آپ کا بدترین دشمن سمجھا جاتا تھا لیکن نہیں معلوم آخر کیا ہوا کہ پیغمبر اسلامؐ کی

---

[1] سنی اور شیعہ تفاسیر اس چیز کو بیان کرتی ہیں۔
[2] انساب الاشراف۔ج۲ص۷۴۲۔
[3] تاریخ طبری ۔ج۳ص۱۸۴،الکامل فی التاریخ ج۲ص۵۔

وفات کے بعد خلفاء ثلاثہ کے لئے کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئی اور یہ گروہ ایک دم سے غائب ہو گیا ۔ کیا پیغمبرؐ کی وفات کے بعد یہ سب کے سب ایک دم بالکل سچے مسلمان ہوگئے تھے یا کوئی مصالحت ہوگئی تھی یا پھر ایسے افراد بر سر اقتدار آگئے تھے کہ جو منافقین کے لئے کسی بھی طرح مضر نہ تھے؟!

۳۔بعض افراد کی حضرت علیؑ سے کینہ پروری:عربوں کی ایک نمایاں خصلت کینہ پروری ہے اور اس بات کے پیش نظر کہ حضرت علیؑ نے ابتداء اسلام ہی سے متعدد جنگوں میں شرکت کی اور بہت سے افراد آپ کے دست مبارک سے قتل ہوئے اور ان مقتولین کے ورثاء مسلمانوں کے درمیان موجود تھے اور یہ افراد شروع سے ہی اپنے دلوں میں حضرت علیؑ کی طرف سے کینہ رکھتے تھے لہذا یہ امکان تھا کہ یہ لوگ ہرگز آپکی خلافت پر راضی نہ ہوں گے ۔

یہ کہنا کہ یہ لوگ سچے مسلمان ہوگئے تھے اور انہوں نے ماضی کے تمام واقعات و حوادث کو بھلادیا تھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ عربوں کی خصلت سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں خاص طور پر اس زمانے کے عربوں سے، مثال کے طورپر جب سورۂ منافقون نازل ہوااور عبداللہ بن ابی (جو منافقین کا سردار تھا)رسوا ہوگیا تو عبداللہ بن ابی کے بیٹے نے پیغمبر اسلامؐ سے عرض کی کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے باپ کو خود ہی قتل کردوں اس لئے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اسے قتل کرے اور میں اس کا کینہ اپنے دل میں رکھوں[٢]۔

صدر اسلام میں اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو صرف یہی ایک مثال کافی ہے کہ کس طرح سے ایک آدمی اس بات پر راضی ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے باپ کو قتل کردے لیکن کوئی دوسرااسے قتل نہ کرے کہیں ایسا نہ ہو اسکا کینہ اپنے دل میں لئے رکھے،اس واقعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آخر بعض افراد حضرت علیؑ سے کینہ کیوں رکھتے تھے ۔

---

[١] تاریخ ادبیات عرب ص٣٥۔
[٢] تفسیر طبری-ج١٤جز ٢٨،ص١٤٨۔(حدیث ٢٦٤٨٢)

۴۔ حضرت علیؑ کے جوان ہونے پر اعتراض:بعض افراد دور جاہلیت کے افکار رکھنے کی وجہ سے کسی بھی صورت میں اس بات پر راضی نہ تھے کہ وہ اپنے سے کم سن ایک جوان کی اطاعت کریں یہ لوگ ایک جوان کی حکومت کو اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے تھے،مثال کے طور پر عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: حضرت عمر کے دور خلافت میں ایک روز میں حضرت عمر کے ساتھ جارہا تھا تو انہوں نے میری طرف رخ کرکے کہا کہ وہ (حضرت علیؑ)تمام افراد میں اس امر خلافت کے سب سے زیادہ سزاوار تھے لیکن ہم دو چیزوں سے خوفزدہ تھے ایک یہ کہ وہ کمسن ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ فرزندان عبدالمطلب کو دوست رکھتے ہیں [1]، دوسری مثال یہ کہ جب حضرت علیؑ کوزبردستی ابو بکر کی بیعت کے لئے مسجد میں پکڑکرلائے اور ابو عبیدہ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کسی بھی صورت بیعت نہیں کررہے ہیں تواس نے حضرت علیؑ کی طرف رخ کیا اور کہا کہ آپ کمسن ہیں اور یہ آپکی قوم کے بزرگ ہیں اور آپ ان کی طرح تجربہ کار نہیں ہیں لہٰذا ابوبکر کی بیعت کرلیں اور اگر آپ آئندہ زندہ رہے توآپ صاحب فضل ومعرفت،متدین، رسولؐ کے قریب ترین فرد ہونے کی وجہ سے اس امر کے لئے سب سے زیادہ سزاوار ہیں [2]،تو حضرت علیؑ کوامر حکومت کا سب سے زیادہ سزاوار اور مناسب سمجھنے کے باوجود اس بات کو قبول کرنے پر راضی نہ تھے کہ ایک جوان ان پر حکومت کرے۔

اس چیز کا مشاہدہ زید بن اسامہ کے لشکر میں بھی کیا جاسکتاہے جب پیغمبر اسلامؐ نے اسامہ کو ایک ایسے فوجی دستہ کی سرداری کے لئے منتخب کیا کہ جس میں قوم کے بزرگان بھی شامل تھے توبعض افرادنے پیغمبرؐ کے اس انتخاب پر اعتراض کیا جب پیغمبرؐ کو اس اعتراض کا پتہ چلا تو آپ غصہ ہوئے، منبر پر تشریف لائے اور فرمایا : کہ تم لوگ اِس سے پہلے اِس کے والد کے انتخاب پر بھی اعتراض کر چکے ہو حالانکہ یہ اور اس کے والد سرداری کی لیاقت رکھتے تھے اور رکھتے ہیں [3]۔اگرچہ ایک لحاظ سے اس کی وجہ حسد بھی ہوسکتی ہے کیوں کہ جب ان افراد نے اس چیز کا مشاہدہ کیا کہ ایک جوان ''حضرت علیؑ '' جیسا کہ جو اس قدر صلاحیت اور

---

[1] السقیفہ وفدک،ص ٥٢،٧٠

[2] الامامۃ والسیاسۃ:ص ٢٩۔

[3] السیرۃ النبویہ :ابن ہشام ج۴ص٢٩٩،٣٠٠۔الطبقات الکبریٰ۔ج١ص ١٩٠،٢۴٩،تاریخ یعقوبی ۔ج ٢ ص ١٣ ، الکامل فی التاریخ۔ ج٢ص٥۔

لیاقت رکھتا ہے کہ رسول خداؐ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اور پیغمبرؐ کے چلے جانے کے بعد یہی جوان ہمارا امیر اور حاکم ہوگا تو شدت سے آپ سے حسد کرنے لگے۔

۵۔ پیغمبر اسلامؐ کے احکام کی نافرمانی: مسلمانوں کے درمیان بعض ایسے افراد بھی تھے کہ جو پیغمبر اسلامؐ کی اطاعت بعض شرائط کے ساتھ کیا کرتے تھے جب تک پیغمبرؐ کی اطاعت انکے لئے مضر نہ ہو تو کوئی بات نہیں لیکن اگر آپؐ کوئی ایسا حکم دیتے کہ جو انکی خواہشات کے مطابق نہ ہوتا یا یہ کہ وہ اپنی ناقص عقل سے اس کی مصلحت درک نہیں کرپاتے تھے تو کھلے عام یا مخفی طور پر اس سے سر پیچی کرتے تھے، مثال کے طور پر حجۃ الوداع کے موقع پر کچھ فرائض کو انجام دینے سے بعض افراد نے مخالفت کی، پیغمبر اسلامؐ نے حج کے دوران فرمایا: اگر کوئی شخص اپنے ساتھ قربانی کے لئے جانور نہیں لایا تو وہ اپنے حج کو عمرہ میں تبدیل کردے اور جو اپنے ساتھ جانور لائے ہیں وہ اپنے احرام پر باقی رہیں، بعض افراد نے اس امر کی اطاعت کی اور بعض افراد نے مخالفت کی[1] اور ان مخالفین میں سے ایک حضرت عمر بھی تھے[2] اور اسکی دوسری مثال صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر کا اعتراض کرنا ہے[3]، اسی کی ایک اور مثال اسامہ کی سرداری پر اعتراض[4] اور انکے ساتھ جانے سے انکار کرنا ہے۔

جبکہ پیغمبرؐ باربار اس امر کی تاکید کررہے تھے کہ مہاجرین اور انصار سب کے سب اسامہ کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے باہر چلے جائیں لیکن بعض بزرگ مہاجرین نے مختلف بہانے بنا کر اس امر کی مخالفت کی[5] یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ نے ان لوگوں پر لعنت بھی کی جنہوں نے آپ کے اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے اسامہ کے لشکر میں شرکت نہیں کی[6]۔ نیز اس کی ایک اور مثال نوشتہ لکھنے کا واقعہ ہے کہ جو پیغمبر اسلامؐ کی زندگی کے آخری لمحات میں پیش آیا[7]، پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ قلم اور دوات لے آؤ تاکہ تمہارے لئے

---

[1] الطبقات الکبریٰ ۔ج۱ص ۱۸۷، ارشاد۔ ج۱ص ۱۷۴
[2] ارشاد ۔ج۱ص ۱۷۴
[3] تاریخ طبری :ج۲ص۶۳۴
[4] السیرہ النبویہ: ابن ہشام ج۴ص۲۹۹۔۳۰۰، الطبقات الکبریٰ ج۱ص۱۹۰۔
[5] ارشاد :ج۱ص ۱۸۴،۱۸۳۔
[6] السقیفہ وفدک :ص ۷۵،۷۴۔
[7] الطبقات الکبریٰ: ج۱ص ۲۴۴۔انساب الاشراف ۔ج۲ص ۷۳۸ ، تاریخ طبری ۔ج۳ص ۱۹۲۔

ایک ایسی چیز لکھ دوں جسکے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہوگے! لیکن حضرت عمر نے کہا کہ پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ بعض افراد نے کہا کہ بات وہی قابل قبول ہے جو پیغمبرؐ نے کہی ہے اور بعض نے کہا کہ حضرت عمر صحیح کہہ رہے ہیں[1] یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر اور بعض دوسرے افراد پیغمبرؐ کے امر کی مخالفت کرتے ہوئے آپؐ پر ہذیان کی تہمت لگارہے تھے!!! جس کے بارے میں قرآن نے صریحی طور پر فرمایا: ''ماینطق عن الھویٰ[2]''۔ گذشتہ بیان کی روشنی میں اس بات کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ آخر پیغمبر اسلامؐ ابلاغ وحی کے سلسلے میں کسی مناسب موقع کی کیوں تلاش میں تھے؟ یقینا صرف اس لئے کہ پیغمبر اسلامؐ مسلمانوں کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے کہ وہ انکی مخالفت کرینگے یعنی اگر وہ حضرت علیؑ کی جانشینی اور خلافت کا اعلان کریں تو بعض لوگ کھلم کھلاّ پیغمبرؐ کے مد مقابل آجائیں گے اور ہرگز اس امر پر راضی نہ ہونگے لیکن آیہء تبلیغ کے آخر میں خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ کو اطمینان دلایا کہ خداوند عالم آپ کو محفوظ رکھے گا یعنی خدا آپؐ کو لوگوں کے شر اور ان کی علنی مخالفت سے محفوظ رکھے گا ۔

اس بات کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو جابر بن عبداللہ انصاری اور عبداللہ بن عباس سے تفسیر عیاشی میں نقل ہوئی ہے ''فتخوف رسول اللہ ان یقولوا حامیٰ ابن عمہ وان تَطغوا فی ذٰلک علیہ[3]'' یعنی پیغمبرؐ کو اس بات کا خطرہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ پیغمبرؐ نے یہ کام اپنے چچا زاد بھائی کی حمایت میں کیا ہے اور اس طرح سرکشی کرینگے، اگرچہ بعض[4] نسخوں میں ''حامیٰ'' کی جگہ خابیٰ اور ''تطغوا'' کی جگہ یطعنوا آیا ہے کہ ایسی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبرؐ کا خوف لوگوں کے طعنوں کی وجہ سے تھا، اگر یہ لفظ بھی ہو تو تب بھی ہماری گذشتہ بات پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ چیز بعید ہے کہ پیغمبرؐ محض لوگوں کے طعنوں سے بچنے کی خاطر ابلاغ وحی کو کسی مناسب موقع کے لئے ٹال رہے ہوں، ظاہراً تطغوا والی عبارت زیادہ صحیح ہے، یعنی پیغمبرؐ کو علنی مخالفت اور سرکشی کا خطرہ تھا ۔ ہماری اس وضاحت

---

[1] السقیفہ والفدک :الجوہری ص٧٣
[2] سورۂ مبارکہ نجم: آیت ٣ (پیغمبر ہرگز اپنی مرضی سے بات نہیں کرتے)۔
[3] تفسیر عیاشی ۔ ج١ص ٣٦٠
[4] تفسیر عیاشی ۔ج١ص ٣٦٠ کا حاشیہ ،تفسیر میزان ج ۶ص ۵۴۔

کے بعد اس اعتراض کا جواب بھی دیا جاسکتاہے کہ اگر آیت کی مراد یہ تھی کہ ولایت علیؑ کا اعلان کرو اور پھر خدا نے پیغمبرؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے کا وعدہ بھی کیا تھا تو پھر کیونکر حضرت علیؑ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد خلافت پر نہیں پہنچ پائے مگر کیا ممکن ہے کہ خدا کا وعدہ پورانہ ہو؟!اس کا جواب یہی ہے کہ وحی الہی نے وعدہ کیا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کو لوگوں کی کھلم کھلا مخالفت اور سرکشی سے محفوظ رکھے گا اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ روایات غدیر اس بات کی شاہد ہیں۔اس کے علاوہ یہ کہ آیت میں کہا گیا ہے ''واللہ یعصمک من الناس''یعنی خدا آپؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گااور اس سے مراد بھی وہی ہے جو بیان کیا جاچکاہے کہ خدا رسولؐ کو لوگوں کی علنی مخالفت سے محفوظ رکھے گا اور آیت میںیہ نہیں کہاگیا ''واللہ یعصمہ من الناس''کہ خدا اسے (یعنی حضرت علیؑ کو)لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ ہم اس آیت کو حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت کے لئے وعدہ الہی قرار دیدیں۔[1]

غدیر خم کے بعد اہل بیتؑ کے خلاف سازشیں:غدیر کے واقعہ نے مسلمانوں اور اسلامی معاشرہ کے لئے واضح طورپر ان کے آئندہ کا وظیفہ بیان کردیا تھا،جو لوگ خدا اور رسولؐ کے مطیع وفرمانبردار تھے انہوں نے اسے دل وجان سے قبول کرلیا اور جو لوگ اندرونی طور پر اس کے مخالف تھے مگر اس وقت اس کا اظہار کرنے کی قوت نہ رکھتے تھے انہوں نے بھی ظاہری طور پر اسے قبول کرلیا اور حضرت علیؑ کو ان کی جانشینی پر مبارک باد پیش کی اور اس کی واضح مثال حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا وہ معروف جملہ ہے ''بخ بخ لک یا بن أبي طالب[2]''۔

جو لوگ حضرت کی جانشینی اور خلافت کے مخالف تھے اور حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے اگرچہ ظاہری طور پر اسے قبول کرچکے تھے مگر باطنی طورپر بہت سخت پریشان اور فکر مند تھے اور ہر ممکن کوشش کررہے تھے کہ کسی بھی طرح حضرت علیؑ کو راستے سے ہٹا کر خود حکومت پر قابض ہوجائیں اور اس بات پر بہت سے شواہد موجود ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کررہے ہیں ۔

[1] فخر رازی نے اس اعتراض کو آیہ اکمال کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔
[2] الغدیر: ج۱ص ۱۱ ،التفسیرالکبیر:ج۴ ص ۴۰۱ (اے فرزندابو طالب آپ کو مبارک ہو،آج آپ میرے اور تمام مومنین اور مومنات کے مولا ہوگئے)

اول : عام شواہد ۔ پیغمبر اسلامؐ واقعہ غدیر کے بعد اکثر حضرت علیؑ کی جانشینی اور آپ کے فضائل کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور ہمیشہ اہل بیتؑ کے سلسلے میں وصیت فرماتے تھے اور مسلسل لوگوں کو اپنے چلے جانے کے بعد کے خطرات سے آگاہ کرکے اتمام حجت کررہے تھے اور اس کی روشن مثال وہ حدیث ہے جو اکثر شیعہ اور سنی احادیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ارشاد فرمایا : (أقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم[1]) یعنی فتنے پے در پے اور مسلسل تاریک راتوں کی طرح آئیں گے اکثر روایات کے الفاظ یہی ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ اس جملے کی تکرار اس رات زیادہ کررہے تھے کہ جب آپؐ اہل بقیع کے لئے استغفار کرنے گئے ہوئے تھے آخر اسلامی معاشرے میں ایسا کونسا حادثہ رونما ہوا تھا اور کس قسم کے حالات پیش آنے والے تھے جو اس قدر دلسوز کلمات پیغمبرؐ کی زبان سے جاری ہوئے تھے اور وہ بھی زندگی کے آخری دنوں میں او ر ان تمام تر زحمتوں اور مشقتوں کے بعد جو خداوند متعال کے قوانین کے مطابق اسلامی معاشرے کی تشکیل کے سلسلے میں آپؐ نے برداشت کیں، پیغمبر اسلامؐ کی زبان سے یہ جملے سننے کے بعد ایک باایمان مسلمان کا دل غم واندوہ سے پرہو جاتاہے اوروہ آہ سرد کھینچتا ہے آخر ایسا کیوں نہ ہوا کہ پیغمبر اسلامؐ انتھک محنت کے بعد کم ازکم اطمینان اورآرام و سکون کے ساتھ اس امت سے رخصت ہو کر اپنے پرور دگار عالم کی طرف رحلت کرجاتے۔

پیغمبر اسلامؐ کے اس قسم کے بیانات در حقیقت ان سازشوں کی طرف اشارہ تھے کہ جو بعض لوگ مخفی طور پر اسلام کو اسکے اصل محور سے ہٹانے کے سلسلے میں کوشاں تھے گویا آپ آئندہ اٹھنے والے فتنوں کی پیشن گوئی کررہے تھے،اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ فتنہ گر کون تھے اور انکے مقاصد کیا تھے؟ یہاں ہماری یہی کوشش ہوگی کہ تاریخی حوالوں کے ذریعہ ان فتنہ گروں کی نشاندہی کردیں۔

دوم :بنی امیہ اور انکے ہم خیال افراد کی سازشیں۔بنی امیہ ہمیشہ اپنے آپ کو حکومت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے اور ہمیشہ اس سلسلے میں بنی ہاشم سے نزاع کرتے رہتے تھے اسی وجہ سے اعلان بعثت کے بعد شدت سے آپؐ کی مخالفت کررہے تھے یہاں تک پیغمبرؐ کے

[1] الطبقات الکبریٰ ۔ج۱ص ۲۰۴۔انساب الاشراف۔ ج۳ص ۷۱۶ ۔تاریخ طبری۔ ج۳ص ۱۹۸، ارشاد۔ج ۱ص ۱۸۱ ۔ الکامل فی التاریخ۔ ج۲ص ۶۔

خلاف سازشیں کرکے لوگوں کو آپؐ کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ کیا لیکن اسکا نتیجہ ذلت وخواری کے ساتھ شکست اور مجبور ہوکر اسلام قبول کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوا مگر حکومت کا نشہ انکے اندر پھر بھی اپنی جگہ باقی رہا۔یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک پیغمبر اسلامؐ زندہ ہیں انکی تمنائیں اور آرزوئیں پوری نہیں ہوسکتیں لہٰذا وہ لوگ پیغمبر اسلامؐ کے انتقال کے منتظر تھے لیکن کیوں کہ یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے لہٰذا یہ جانتے تھے کہ پیغمبرؐ کی وفات کے فوراً بعد حکومت کو ہاتھ میں نہیں لیا جاسکتا ایسے میں ضرورت تھی کی وہ حکومت کو حاصل کرنے کے لئے ایک طویل پلان ترتیب دیں اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہ کام انہوں نے کیا یہ بات صرف ایک دعویٰ نہیں بلکہ بہت سے شواہد اس بات پر دلالت کرتے ہیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ دینوری[1] اور جوہری[2] کا کہنا ہے کہ جب بعض افراد نے سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت کی تو بنی امیہ حضرت عثمان بن عفان کے گرد جمع ہوکر ان کی خلافت پر اتفاق نظر رکھتے تھے[3] یہ چیز خود اس بات کی شاہد ہے کہ بنی امیہ حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس منصب کے لئے حضرت عثمان کو پیش کیا جو بنی امیہ کے درمیان تقریباً ایک معتدل شخص تھے اور دوسرے افراد کی طرح سابقہ بدکرداری سے برخوردار نہ تھے۔اس لئے انہیں کو اس وقت اس امر کے لئے بہترین فرد سمجھتے تھے،اگرچہ ہماری نظر میں یہ اجتماع اس وقت کسی خاص حقیقت پر مبنی نہ تھا بلکہ یہ کہا جاسکتاہے کہ یہ فقط ایک سیاسی کھیل تھا تاکہ آئندہ کے لئے میدان کو ہموار کیا جائے جسکا شاہد یہ ہے کہ جب حضرت عمر نے دیکھا کہ بنی امیہ عثمان کے گرد جمع ہوگئے ہیں تو کہا کہ آخر تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟آؤ اور حضرت ابوبکر کی بیعت کروتو اس مجمع میں سب سے پہلے حضرت عثمان اور پھر تمام بنی امیہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی[4]۔ جوہری سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان کی بیعت ہوئی تو ابو سفیان نے کہا کہ پہلے حکومت قبیلہ تیم کے پاس چلی گئی جبکہ انکا حکومت سے کیا تعلق؟اور پھر قبیلہ عدی میں جاکر اپنے مرکزو محور سے دور ہوگئی اور اب یہ اپنی صحیح جگہ واپس آئی ہے لہٰذا اسے

---

[1] الامامۃ والسیاسیۃ۔ ص ۲۸
[2] السقیفہ وفدک ۔ص۶۰
[3] ’’اجتمعت بنو امیہ الیٰ عثمان بن عفان‘‘
[4] الامامۃ والسیاسۃ۔ ص ۲۸۔ السقیفہ و فدک۔ ص ۶۰۔

مضبوطی سے تھامے رکھو[1]،یہ روایت اس قدر گویا ہے کہ جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے،البتہ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا تھا تو آخر ابو سفیان نے شروع ہی میں حضرت ابوبکر کی بیعت کیوں نہ کی؟اور حضرت علیؑ کے پاس جا کر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو ابوبکر کے خلاف مدینہ کو لشکروں سے بھر دوں[2]۔اس سوال کا جواب بعض افراد نے اسے قبیلہ پرستی کے تعصب کہہ کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ابوسفیان نے قبیلہ پرستی کے تعصب کی بنا پر یہ کام کیا تھا[3]،جیسا کہ پہلی نظر میں اس قسم کا ہی پیدا ہوتا ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس امر کی علت کوئی دوسری چیز تھی اور وہ یہ کہ ابو سفیان،بنی امیہ کے نہایت چالاک اور ہوشیار لوگوں میں سے ایک تھا لہٰذا یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ اس کے پیچھے کوئی خاص اور بلند مقاصد رکھتا تھا۔

ممکن ہے کہ اس کام سے اس کا مقصد ایک ساتھ کئی چیزیں حاصل کرنا ہو،ایک یہ کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کی مخالفت کرکے ان کی طرف سے کچھ امتیازات چاہتا تھا اوراگر وہ حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو اس جنگ کے فاتح بنو امیہ اور ابو سفیان ہوتے اس لئے کہ اس کا مقصد ان دونوں گروہوں کو لڑا کر کمزور کرنا اور بنی امیہ کی پوزیشن کو مستحکم کرنا تھا یا کم ازکم وہ حضرت ابوبکر کو مجبور کررہا تھا کہ وہ انکی بیعت اس صورت میں کرے گا جبکہ وہ اس کے لئے کسی امتیاز کے قائل ہوں اور درحقیقت وہ اس امر میں کامیاب بھی ہوا اور اس طرح اس نے کافی مالی فائدہ بھی اٹھایا جیسا روایت کے بقول ابوسفیان جب زکات وصول کر واپس پلٹا تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے کہنے سے جتنی جمع شدہ زکوٰۃ تھی سب کی سب ابوسفیان کی فتنہ گری کو روکنے کے لئے اسے بخش دی اور اس طرح وہ بھی اس پر راضی ہوگیا[4] اسکے علاوہ اس چیز میں بھی اسے کامیابی حاصل ہوئی کہ حکومت میں کوئی عہدہ اپنے بیٹے معاویہ کے لئے مخصوص کر سکے[5]،اس وضاحت کے بعد اس چیز کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؑ نے ابو سفیان کی پیش کش کو ٹھکرا کر اسے اپنے سے کیوں دور کیا اور فرمایا :خدا کی قسم تو اس بات سے

---

[1] السقیفہ وفدک ۔ص ٣٧
[2] السقیفہ وفدک: ص٣٧ و تاریخ الطبری :ج٣ص ٢٠٩۔
[3] کتاب ''عبداللہ ابن سبا'' علامہ عسکری ،ج١ص ١٠١۔
[4] السقیفہ وفدک ص ٣٧
[5] تاریخ طبری۔ ج٣ص ٢٠٩

فقط فتنہ پروری چاہتا ہے تو ہمیشہ اسلام کا دشمن رہا ہے مجھے تیری ہمدردی اور خیر خواہی کی ضرورت نہیں ہے![1] حضرت علیؑ کے خطبات سے اس بات کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ ابو سفیان کا اصل مقصد شر اور فساد پھیلانا تھااور قبیلہ پرستی تعصب جیسا کوئی مسئلہ نہ تھا۔اس واقعہ سے متعلق اکثر روایات سے یہ چیز سمجھ میں آتی ہے کہ بنی امیہ میں فقط ابو سفیان، حضرت ابوبکر کی بیعت کا مخالف تھا جیسا کہ جب وہ مسجد میں بنی امیہ کے اجتماع کے درمیان گیا اور انہیں حضرت ابو بکر کے خلاف قیام کی دعوت دی تو کسی نے بھی اسکا مثبت جواب نہ دیا[2] اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مخالفت اور قیام کی دعوت محض ایک دکھاوا تھا اس لئے کہ بنی امیہ کے درمیان ابو سفیان کی حیثیت اور لیڈری غیر قابل انکار چیز ہے اور یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ بنی امیہ ابوسفیان کے قول پر کان نہ دھریں اور اسے منفی جواب دیدیں ۔اس چیز کو حضرت علیؑ کے ابو سفیان کی لشکر جمع کرنے والی گفتگو سے سمجھا جاسکتا ہے اس لئے کہ اس نے اس گفتگو میں بڑے اعتماد کے ساتھ مدینہ کو لشکروں سے بھر دینے کو کہا تھا[3] اور حضرت علیؑ کے اس جواب سے بھی یہ چیز سمجھی جا سکتی ہے کہ ابو سفیان اس پیش کش میں کس حد تک سنجیدہ تھا ۔

بنی امیہ اس چیز کو جانتے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ کے انتقال کے فوراً بعد انکے لئے میدان اس قدر ہموار نہیں ہوگا کہ وہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں، لہٰذا اس فتنہ پروری سے ان کا مقصد اپنے لئے میدان ہموار کرنا اور حکومت کے حصول کے سلسلے میں پہلا قدم اٹھانا تھاوہ درحقیقت حضرت ابوبکر کی خلافت کو قریش سے بنی امیہ کی طرف خلافت کے منتقل ہونے کے لئے ایک اہم پل سمجھتے تھے اسی لئے اس سے موافق تھے اور اسکی مدد تک کرتے تھے اگر چہ تاریخی تحریفات کی وجہ سے ان کے تعاون کی فہرست بیان کرنا ایک مشکل کام ہے لیکن بعض قرائن اس چیز کی نشاندہی کرتے ہیں جیسے پیغمبرؐ کے انتقال کے دن حضرت عمر، یقین کے ساتھ پیغمبرؐ کے انتقال کا انکار کررہے تھے اور جیسے ہی حضرت ابوبکر پہونچے تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی زبان سے قرآن کی آیت

[1] تاریخ طبری ج۳ص ۲۰۹ ،ارشاد ۔ج ۱ص ۱۸۹۔
[2] الارشاد:ج۱ص۱۹۰ ۔(فحرّضهم على امر فلم ينهضوا لہ)
[3] ا السقیفہ وفدک:ص۳۷، تاریخ طبری:ج۳ص۲۰۹۔

سن کر پیغمبرؐ کے انتقال کا یقین کرلیا یہ بات واضح تھی کہ اس کام سے حضرت عمر کا مقصد فقط حضرت ابوبکر کے پہنچنے تک حالات کو قابو میں رکھنا تھا اور قابل غور بات تو یہ ہے کہ فقط حضرت عمر ہی پیغمبرؐ کے انتقال کے منکر نہ تھے بلکہ حضرت عثمان بھی پیغمبرؐ کا انتقال نہ ہونے کے دعویدار تھے اور کہہ رہے تھے کہ وہ مرے نہیں ہیں بلکہ حضرت عیسیٰ کی طرح آسمان پر چلے گئے ہیں[2] یہ تمام چیزیں انکی آپسی ساز بازاوراتفاق رائے کی نشاندہی کرتی ہیں۔ خلاصہء کلام یہ کہ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد حکومت کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوششیں اس زمانے کے آگاہ افراد سے ہرگز پوشیدہ نہ تھیں جیسا کہ انصار اس بات کو بخوبی جانتے تھے اسی لئے حباب بن منذر نے سقیفہ میں حضرت ابوبکر سے خطاب کرتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ ہمیں آپ لوگوں سے کوئی ڈر نہیں ہے۔

لیکن ڈر اس بات کا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ لوگوں کے بعد وہ لوگ برسراقتدار آجائیں کہ جن کے باپ دادا اور بھائیوں کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا ہے[3] اوریقیناً وہ لائق تحسین ہے کہ اس نے اچھی طرح حالات کا رخ دیکھ کر صحیح پیشن گوئی کی تھی،البتہ بنی امیہ کے علاوہ بنی زہرہ بھی حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ لوگ سعد اور عبد الرحمن بن عوف پر اتفاق کئے ہوئے تھے[4]۔ اسی طرح کہ ایک روایت کے مطابق مغیرہ بن شعبہ وہ شخص تھا جس نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو سقیفہ میں جانے کے لئے ابھا[5]را تھا۔

سوم:حکومت حاصل کرنے کے لئے بعض مہاجرین کی کوششیں۔ حضرت ابوبکر ،حضرت عمر اور ابوعبیدہ وہ نمایاں افراد تھے جو پیغمبرکی وفات کے بعد حکومت کے حصول اور حضرت علیؑ کو مسند خلافت سے ہٹاکر حالات پر قابو پانے میں سب سے زیادہ کوشاں دکھائی دیتے تھے جسکے بہت سے شواہد موجود ہیں مگر ہم یہاں فقط چند مثالوں پر ہی اکتفا کررہے ہیں ۔

---

[1] السیرۃالنبویہ ابن ہشام : ج۴ص۳۱۱،۳۰۵،تاریخ الطبری: ج۳ص۲۱۰، البدایہ والنہایہ: ج۵ص۲۶۲ ،انساب الاشراف : ج ۲ص۷۴۲۔
[2] انساب الاشراف ۔ج۲ص ۷۴۴۔
[3] انساب الاشراف:ج۲ص۷۶۲،الطبقات الکبریٰ:ج۳ص۱۸۲۔
[4] السقیفہ وفدک ۔ص۶۰،والامامہ والسیاسیہ:ص ۲۸۔
[5] السقیفہ وفدک ۔۶۸۔

۱۔ سقیفہ کے خطبہ میں حضرت عمر کا کہنا تھا کہ ''واجتمع المھاجرون الی ابی بکر'' یعنی مہاجرین ابو بکر کی خلافت پر متفق تھے، اسکے بعد ان کا کہنا تھا کہ میں نے ابو بکر سے کہا کہ آؤ انصار کے پاس چلتے ہیں جو سقیفہ میں جمع ہیں ان عبارات پر غور کرنے سے حکومت حاصل کرنے کی ان لوگوں کی کوششوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتاہے اس لئے کہ اگر مہاجرین کا حضرت ابو بکرپراتفاق اوران کے لئے ان کی رضایت کو محض ایک دعویٰ نہ سمجھا جائے تو سب کی موافقت اور رضایت حاصل کرنے کے لئے کافی مذاکرات اور مسلسل رابطوں کی ضرورت ہے لہٰذا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتاکہ پیغمبر اسلامؐ کے انتقال کے فوراً بعد سب کے سب حضرت ابو بکر پر اتفاق رائے کرلیں اس لئے کہ سقیفہ سے پہلے ظاہراً کوئی جلسہ تشکیل نہیں پایا تھاکہ جس سے تمام مہاجرین کے نظریات کا پتہ چل جاتاکہ وہ کیا چاہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ رسولؐ کی وفات سے پہلے ہی ایک ایک مہاجر سے ملتے اور اسے اپنی طرف کر لیتے تھے۔

۲۔تاریخ اور احادیث کی اکثر کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ مہاجرین میں سے یہ لوگ پیغمبرؐ کی طرف سے اس بات پر مامور تھے کہ اسامہ بن زید کی سرداری میں مدینہ سے باہر چلے جائیں ان روایات میں سے بعض نے تو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ابوعبیدہ تک کے نام بھی لئے ہیں، جیسے وہ روایت کہ جو ''صاحب الطبقات الکبریٰ'' نے ذکر کی ہے جس میں کہا گیا ہے۔ ''فلم یبق احد من وجوہ المہاجرین الاوّلین والانصار الّا انتدب فی تلک الغزوۃ وفیھم ابوبکرالصدیق وعمربن الخطاب وابوعبیدۃ الجراح وسعد بن ابی وقاص[1] یعنی مہاجرین اور انصار کے بزرگوں میں سے ایک بھی باقی نہ بچا کہ جسے اس غزوہ میں جانے کو نہ کہا گیاہو اور ان بزرگوں میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب ،ابو عبیدہ اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ بھی شامل تھے۔لیکن یہ لوگ مختلف بہانوں کے ذریعے اس لشکر کے ساتھ جانے میں ٹال مٹول کرتے رہے اوراس طرح پیغمبرؐ کی نافرمانی کررہے تھے[2]اگر پیغمبر اسلامؐ کی اسامہ کے لشکر

---

[1] الطبقات الکبریٰ ۔ج ۱ص ۱۹۰۔
[2] الارشاد۔ج۱ص ۱۸۴۔

کے ساتھ جانے پر مسلسل تاکید اوران لوگوں کی نافرمانی پر غور کیا جائے تو اس سے ان افراد کی نیتوں اور ان کی سازشوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۳۔پیغمبر اسلامؐ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بیماری کی شدت کی وجہ سے بار بار بے ہوش ہورہے تھے ایسے میں نماز کا وقت آپہونچا ،بلال نے اذان کہی لیکن پیغمبرؐ کیونکہ مسجد تک جانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے لہٰذا لوگوں سے کہا کہ نماز پڑھ لیں[1] اور کسی بھی شخص کو امامت کے لئے معین نہ کیا اسلئے کہ شاید اب یہ لوگوں کی ذمہ داری تھی کہ پیغمبرؐ کی اتنی تاکیدات اور فرامین کے بعد دیکھیں کہ ہمیں کس کے پیچھے نماز پڑھنی ہے، جیسا کہ بلال سے نقل شدہ روایت بھی اسی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے ،بلال کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ مریض تھے اور جب آپ کو نماز کے لئے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا :یا بلال لقد ابلغتُ فمن شاء فلیصلّ بالناس ومن شاء فلیدَع "[2]اے بلال میں نے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہونچا دیا اب جو چاہے لوگوں کو نماز پڑھائے اور جو چاہے نماز نہ پڑھائے۔یہ بات بہت ہی واضح تھی کہ ایسے میں امامت کے فرائض کون انجام دے؟لازمی سی بات ہے کہ حضرت علیؑ !اس لئے کہ حضرت علیؑ پیغمبر اسلامؐ کے جانشین اور خلیفہ تھے اس کے علاوہ یہ کہ پیغمبرؐ کے امر کے مطابق تو دوسرے تمام بزرگ انصار اور مہاجرین اس بات پر مامور تھے کہ وہ اسامہ بن زید کی سرداری میں مدینہ سے باہر چلے جائیں ، لیکن تعجب کی بات ہے کہ اہل سنت کی اکثر کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے خود حضرت ابوبکر کو حکم دیا تھا کہ وہ آپ کی جگہ نماز پڑھائیں[3]،یہ روایات خود ایک دوسرے سے تناقض رکھتی ہیں اس لئے کہ ان روایات میں حضرت ابو بکر نے جو پیغمبرؐ کی جگہ نمازیں پڑھائی ان کی تعداد اور ان کی کیفیت میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ بعض نے یہ کہا ہے کہ پیغمبرؐ نے حضرت ابو بکر کی اقتداء میں نماز پڑھی[4] جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت ابو بکر پیغمبر اسلامؐ کی نماز کو دیکھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور باقی تمام افراد حضرت ابو بکر کی اقتداء کررہے تھے[5]،اسکے علاوہ بھی مختلف قسم

---

[1] انساب الاشراف۔ ج۲ص۷۲۹ والارشادج۱ص۱۸۲(یصلّی بالناس بعضهم)
[2] السقیفہ وفدک۔ ص :۶۸۔
[3] انساب والاشراف: ج۲ص۷۳۵،۷۳۲،۷۳۱،۷۲۹،۷۲۷،تاریخ طبری :ج۳ص ۱۹۷۔
[4] الطبقات الکبریٰ :ج ۲ص۲۲۳،۲۲۲، دلائل النبوۃ۔ ج۷ص۱۹۲،۱۹۱
[5] دلائل النبوۃ :ج۷ص۱۹۲،۱۹۱،الطبقات الکبریٰ :ج۲ص۲۱۸ تاریخ الطبری: ج۳ ۱۹۷

کی روایات کتاب الطبقات الکبریٰ کے اندر موجود ہیں کہ جنکا ایک دوسرے کے مخالف ہونا خود اس بات کے غلط ہونے کو ثابت کرتا ہے کہ پیغمبرؐ نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لئے کہا تھا۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ پیغمبرؐ کی بعض ازواج نے خود اپنی طرف سے اس کام کو انجام دیا ہو اور اور اسکی نسبت پیغمبرؐ کی طرف دیدی ہو اس بات کی تائید اس سے ہوسکتی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے ایک دناپنی بیماری کے ایام میں فرمایا کہ حضرت علیؑ کو بلایا جائے لیکن جناب عائشہ نے حضرت ابوبکر کو بلالیا اور حفصہ نے حضرت عمر کو اور جب وہ دونوں پیغمبرؐ کے پاس آئے تو پیغمبرؐ نے ان سے منہ پھیر لیا[2]۔ یہ روایت اگرچہ نماز کے بارے میں نہیں ہے لیکن اسکے ذریعہ بعض ازواج کی نافرمانی کو سمجھا جا سکتاہے تو جب ایسے موقع پر کہ جہاں پر پیغمبرؐ کا قول بالکل صریح ہو اور وہ اسکی نافرمانی کر سکتی ہیں تو یہاں پر بھی اپنی مرضی سے پیغمبرؐ کی طرف کسی قول کی نسبت دے سکتی ہیں؟؟؟

اس کے علاوہ بہت سی دلیلیں ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا تھا اس لئے کہ: پہلے یہ کہ حضرت ابوبکر اس بات پر مامور تھے کہ وہ لشکر اسامہ کے ساتھ مدینہ سے باہر چلے جائیں اور اگر وہ اس امر کی اطاعت کرتے تو ایسی صورت میں انہیں اس وقت مدینہ سے باہر ہونا چاہیے تھا اور کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی کہ پیغمبرؐ نے حضرت ابوبکر کو لشکر میں جانے سے مستثنیٰ کیا ہو بلکہ روایات کے بالکل واضح الفاظ ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو لشکر اسامہ کے ساتھ جانے کو کہا تھا[3] پھر کس طرح ممکن ہے کہ پیغمبرؐ انکو اسامہ کے لشکر کے ساتھ بھیجنے پر مُصر بھی ہوں اور یہ حکم بھی دیں کہ تم نماز پڑھاؤ؟! دوسرے یہ کہ اہل سنت کی بعض روایات اس چیز کو بیان کرتی ہیں کہ پیغمبرؐ اس بات کا اصرار کررہے تھے کہ حضرت ابوبکر نماز پڑھائیں لیکن جناب عائشہ کہہ رہی تھی کہ ابوبکر کمزور دل کے مالک ہیں لیکن پیغمبرؐ کے اصرار کی وجہ سے وہ چلے گئے اور نماز پڑھائی اور پیغمبرؐ اسی بیماری کی حالت میں کہ جس میںآپ چل کر مسجد تک نہیں آ سکتے تھے دو آدمیوں کا سہارا لیکر مسجد تشریف لائے (غالباً وہ دو آدمی حضرت علیؑ اور فضل بن عباس تھے) حضرت ابوبکر پیغمبرؐ کو دیکھ کر ایک طرف ہوگئے اور

---

[1] الطبقات الکبریٰ :ج۲ص۲۱۵ تا۲۲۴وج۱۳ ص ۱۷۸ تا۱۸۱۔
[2] تاریخ الطبری : ج۳ص ۱۹۶۔
[3] الطبقات الکبریٰ :ج۱ص ۱۹۰، ۲۴۹، السقیفہ وفدک: ص ۷۴،۷۵ ، تاریخ یعقوبی :ج ۲ ص ۱۱۳ ،الکامل فی التاریخ: ج ۲ ص۵

پیغمبرؐ حضرت ابوبکر کے پاس بیٹھ گئے اور اس طرح حضرت ابو بکر پیغمبرؐ کی نماز کو دیکھ کر نماز ادا کرتے تھے اور باقی افراد حضرت ابوبکر کی نماز کو دیکھ کر نماز ادا کررہے تھے[1]۔اب ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر پیغمبرؐ نے خود حضرت ابو بکر کو نماز کی امامت کے لئے کہا تھا اور حضرت ابوبکر پیغمبرؐ کے حکم سے نماز پڑھارہے تھے تو کیا وجہ تھی کہ پیغمبرؐ اس شدید بیماری کی حالت میں کہ جناب عائشہ کے بقول آپؐ کے دونوں پاؤں زمین پر خط دے رہے تھے اور آپؐ کھڑے ہونے تک کی طاقت نہ رکھتے تھے اور پھر مسجد میں تشریف لائیں اور نماز کو بیٹھ کر خود پڑھائیں ؟کیا ایسا نہ تھا کہ پیغمبرؐ شروع ہی سے حضرت ابو بکر کی امامت پر راضی نہ تھے اور آپؐ نے یہ مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے انہیں نماز پڑھانے سے روکا جائے یہاں تک کہ آپؐ نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ حضرت ابو بکر نماز تمام کر لیتے،اگر حضرت ابوبکر پیغمبر اسلامؐ کے دستور اور اصرار کے مطابق نماز پڑھارہے تھے تو یہ نا ممکن تھا کہ پیغمبرؐ اس شدید بیماری کی حالت میں مسجد آئیں اور بیٹھ کر ہی سہی مگر نماز خود پڑھائیں ۔

خلاصہء کلام یہ کہ پیغمبرؐ کی جگہ نماز پڑھانے میں پیش قدمی کرنا ایک ایسا مسئلہ تھا کہ جس سے وہ اپنی جانشینی اور خلافت کو ثابت کرنے کی کوشش کررہے تھے تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ کیونکہ پیغمبرؐ نے انہیں اس امر کا حکم دیا ہے لہٰذا آپؐ کے بعد یہی خلیفہ ہونگے بالفرض اگر پیغمبرؐ اس قسم کا کوئی امر کرتے بھی تو یہ امر ان کی جانشینی پریقیناً دلیل نہیں بنتا اس لئے کہ دوسرے افراد پیغمبرؐ کی صحت وسلامتی کے موقع پر آپؐ کی جگہ نماز پڑھا چکے تھے[2] تو اگر یہ امر ان صاحب کی جانشینی اور خلافت کی دلیل بن سکتاہے تو اس جانشینی اوروصایت کے وہ لوگ زیادہ حقدار ہیں جنہوں نے آپکی صحت وسلامتی کے موقع پرنماز پڑھائی۔

۴۔پیغمبر اسلامؐ کے گھر کے حالات کو زیر نظر رکھنے کی غرض سے آپؐ کے گھر کی اندرونی خبریں حاصل کرنا بھی حکومت حاصل کرنے کے سلسلے میں اس گروہ کی سازشوں کا ایک حصہ ہے اور یہ کام جناب عائشہ بنت ابوبکر اورجناب حفصہ بنت عمر کے ذریعہ انجام پاتا تھا ،اہل سنت کی بعض روایات کے مطابق پیغمبرؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی بعض ازواج سے فرمایا تھا کہ ''

---

[1] تاریخ طبری :ج۳ص ۱۹۷(جناب عائشہ سے)۔
[2] الطبقات الکبریٰ: ج۴ص۲۰۵

تمہاری مثال ان خواتین کی سی ہے جو یوسف کی مصیبت وابتلاء کا باعث بنیں''۔ طبری نے ایک مقام پر نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کے پاس کسی کو بھیج کر انہیں بلاؤ ایسے میں جناب عائشہ نے کہا: حضرت ابوبکر کو بلالاؤاور حفصہ نے کہا کہ حضرت عمر کو، جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پیغمبرؐ کے پاس آئے تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ یہاں سے چلے جاؤ اس لئے کہ اگر تمہاری ضرورت ہوتی تو تمہیں بلایا ہوتا یہ سن کر وہ دونوں چلے گئے[2]۔ یہ روایت ہماری اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ یہ حضرات محض یہ دکھانے کے لئے کہ وہ پیغمبرؐ کے قریب ترین افراد میں سے ہیں جلد بازی کرتے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس پہونچے کہ شاید جو بات وہ حضرت علیؑ سے کہنا چاہتے ہیں وہ ہمیں بتادیں اگرچہ بعض روایات میں حضرت علیؑ کا نام ذکر نہیں بلکہ اس قسم کی عبارت موجود ہے، میرے حبیب یا میرے دوست کو بلاؤ[3] لیکن تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبرؐ نے ان افراد کو واپس کردیا حتیٰ کہ آپؐ نے ان سے منہ تک پھیر لیا اگر پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کا نام نہیں لیا تھا اور کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا بھی تھا تب بھی یہ بات تو واضح ہے کہ پیغمبرؐ نے ان دونوں کو نہیں بلایا تھا، بہر حال ہر کام میں خود بخود پہل کرنا حتیٰ کہ پیغمبرؐ کے گھر پہونچنے میں بھی پہل کرنا اس چیز کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ پیغمبرؐ کے گھر میں بھی حضرت علیؑ کو راستے سے ہٹا کر حکومت اور ولایت کے حصول کے لئے کوشاں تھے۔

۵۔ حضرت عمر اور ان کے ہم فکر افراد کا پیغمبر اسلامؐ کو نوشتہ لکھنے سے روکنا بھی خود حضرت علیؑ کو راستے سے ہٹا کر حکومت حاصل کرنے کی کوششوں کا ایک حصہ ہے اور اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت عمر نے اس بات کا اندازہ لگالیا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ حضرت علیؑ کی خلافت کے سلسلے میں کچھ لکھنا چاہتے ہیں لہٰذا انہوں نے بھرپور کوشش کی کہ یہ نوشتہ نہ لکھا جائے چاہے اس سلسلے میں پیغمبرؐ پر ہذیان ہی کی تہمت لگانی پڑے۔!!

---

[1] تاریخ الطبری: ج۳ص ۱۹۷۔انساب والاشراف :ج۲ص ۷۳۱،۷۳۲،۷۳۵۔ الامامۃ والسیاسۃ: ص ۲۰۲۔دلائل النبوۃ: ج ۷ص ۱۸۶،۱۸۷،۱۸۸۔ارشاد:ج۱ص ۱۸۳،شیخ مفیدفرماتے ہیں کہ جب پیغمبرؐ نے یہ دیکھا کہ ہر ایک اپنے اپنے باپ کو بھیجنا چاہتی ہے اس وقت آپؐ نے یہ جملہ فرمایا، لیکن اہل سنت کی اکثر روایات یہ بتاتی ہیں کہ جناب عائشہ مائل نہ تھیں کہ حضرت ابوبکر نماز پڑھائیں لیکن پیغمبرؐ نے اس پر اصرار کیا تھاالبتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان تمام روایتوں کی راوی خودجناب عائشہ ہیں۔

[2] تاریخ طبری: ج۳ص ۱۹۶ ،الارشاد: ج۱ص ۱۸۵۔

[3] الامامۃ والسیاسۃ :ص ۲۰۔

پیغمبر اسلامؐ کے نوشتہ لکھنے کے سلسلے میں تاریخ اور احادیث کی کتابوں میں بے انتہا روایات موجود ہیں جو سب کی سب اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کی طرف ہذیان کی تہمت لگائی گئی اب ان روایات میں سے بعض نے صریحی طور پر حضرت عمر کا نام لیا ہے[1] اور بعض نے کسی خاص شخص کا نام ذکر نہیں کیا ہے[2]۔ مجموعی طور پر ان تمام روایات میں حضرت عمر کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا نام نہیں آیا ہے جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ہذیان کی تہمت لگانے والے شخص حضرت عمر ہی تھے لیکن کیوں کہ اہل سنت کے بعض راوی حضرت عمر کا نام لینا نہیں چاہتے تھے اس لئے کوئی نام ذکر نہیں کیا۔

بعض علماء اہل سنت نے حضرت عمر کی طرف سے رسول خداؐ پر ہذیان کی تہمت لگائے جانے کی قباحت کو کم کرنے کے لئے اس کی مختلف تاویلیں بھی کی ہیں، مثال کے طور پر یہ کہ حضرت عمر کا مطلب یہ تھا آپؐ پر بیماری کا غلبہ ہوگیا ہے[3] لیکن لغت کے اعتبار سے یہ تاویل کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے، جیسا کہ صاحب لسان العرب نے ابن اثیر کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر کا یہ جملہ سوالیہ صورت میں ہونا چاہیے أھجَرَ تاکہ اس کو اس معنی میں لیا جائے ''تغیر کلامہ واختلط لأجل مابہ المرض'' ان کے کلام میں تبدیلی آگئی ہے اور وہ بیماری کی شدت کے وجہ سے کچھ کا کچھ کہہ رہے ہیں لیکن اگر یہ جملہ سوالیہ نہ ہوبلکہ خبریہ ہو(جیسا کہ اکثر روایات میں ہے)تو یا تو یہ گالی ہے یا پھر ہذیان کے معنی میں ہے پھر وہ کہتے ہیں کہ کیوں کہ یہ بات کہنے والے شخص حضرت عمر ہیں لہٰذا ان سے اس قسم کی امید نہیں ہے۔

اگر بالفرض اس تاویل کو قبول کر بھی لیا جائے کہ ہذیان کے معنی یہ تھے کہ پیغمبرؐ بیماری کی شدت کی وجہ سے نہ جانے کیا کیا کہہ رہے ہیں گویا اس حالت میں پیغمبرؐ کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں ہے تو کیا پیغمبر اسلامؐ کی طرف اس قسم کے کلام کی نسبت دینا پہلے کلام کے مقابلے میں کچھ کم قباحت رکھتا ہے؟ جس کے بارے میں قرآن فرمارہا ہو، ''وماینطق عن الھویٰ ان ھو الاّ وحی یوحی[4]'' کہ وہ وحی

---

[1] السقیفہ وفدک :ص۷۳:الطبقات الکبریٰ :ج۱ص۲۴۴،۲۴۳۔الارشاد :ج۱ص۱۸۴
[2] الطبقات الکبریٰ :ج۱ص ۲۴۲، انساب الاشراف: ج۲ص ۷۳۸، تاریخ طبری: ج۳ ص ۱۹۲
[3] تاریخ الطبری: ج۳ص ۱۹۳ (حاشیہ)والسقیفہ وفدک: ص ۷۳ (ایک روایت کے ضمن میں)
[4] سورہ نجم آیت ۳۔

کے بغیر بات نہیں کرتے،بہر حال حضرت عمر کے کلام کا مطلب کچھ بھی ہو سب سے اہم بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ حضرت عمر کے اس جملے کو سننے کے بعد سخت ناراض ہوئے جیسا کہ اہل سنت کی بعض روایات میں یہ ملتاہے کہ پیغمبرؐ یہ جملہ سننے کے بعد غم واندوہ میں ڈوب گئے تھے اور بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ پیغمبرؐ یہ جملے سننے کے بعد اس قدر غصہ ہوئے کہ انہیں اپنے پاس سے اٹھادیا[1]اس کے بعد جو دوسرے افراد آپ کے پاس موجود تھے کہنے لگے کہ کیا قلم ودوات لائیں؟پیغمبرؐ نے فرمایا کہ کیا اب سب کچھ کہنے کے بعد، نہیں اب اس کی ضرورت نہیں لیکن ہاں تم لوگوں کو اپنے اہل بیتؑ کے ساتھ خیر وخوبی کے ساتھ پیش آنے کی وصیت کرتا ہوں[2]یہاں واضح ہے کہ آخر پیغمبرؐ نے حضرت عمر کے کہنے کے بعد کیوں نہ چاہا کہ کچھ لکھیں اس لئے کہ اگر پیغمبرؐ لکھ بھی دیتے تو جو شخص پیغمبرؐ کی موجودگی میں گستاخی اور مخالفت کرسکتاہے تو یقیناً وہ پیغمبرؐ کے چلے جانے کے بعد اس میں اضافہ کرتا اور مزید الٹی سیدھی نسبتیں پیغمبرؐ کی طرف دیتا اور عملی طور پر یہ تحریر معتبر نہ سمجھی جاتی۔

بعض متعصب علمائے اہل سنت نے یہ مضحکہ خیز دعویٰ کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ حضرت ابوبکر کی خلافت کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتے تھے[4]جبکہ نوشتہ سے متعلق جتنی بھی روایات نقل ہوئی ہیں ان میں سے کسی ایک نے بھی ہلکا سا اشارہ بھی اس بات کی طرف نہیں کیا بلکہ روایات کے متن اور دوسرے تمام شواہد اسکے برعکس ہیں کہ جن کا بیان کرنا یہاں اس بحث میں ممکن نہیں ہے البتہ ہم یہاں ایک چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ حضرت عمر جو حضرت ابوبکر پر ہمیشہ جان دینے کو تیار دکھائی دیتے تھے اور درحقیقت یہ حضرت عمر ہی کی کوششیں تھیں جن کی وجہ سے حضرت ابوبکر منصب خلافت پر فائز ہوگئے اور یہ بات ہر خاص وعام جانتاہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے لئے لکھے جانے والے نوشتہ کو روکیں اور پھر چند ہی گھنٹوں بعد ان کی

---

[1] انساب الاشراف:ج۲ص ۷۳۸۔
[2] الطبقات الکبریٰ :ج۱ص ۲۴۳،والسقیفہ وفدک: ص ۱۷۳(فرفضہ النبی :پس اس معنی میں نبیؐ پہلے رافضی ہیں)
[3] ارشاد ۔ج۱ص ۱۸۴
[4] البدایۃ والنہایۃ ج۵ص ۲۷۱۔

خلافت کے لئے تلوار نکال لیں اور جناب فاطمہؑ کے گھر تک کو آگ لگانے پر تیار ہوجائیں کیا کوئی عاقل انسان اس قسم کے مضحکہ خیز دعوے کو قبول کرسکتا ہے!؟

٦۔ایک اور چیز جو اس گروہ کی سازشوں کی روشن دلیل ہے وہ حضرت عمر کا پیغمبرؐ کی وفات سے انکار کرنا ہے یہ واقعہ بھی بہت سی تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں موجود ہے[1])، حضرت عمر کے اس کام کی علّت یہ تھی کہ حضرت ابوبکر کے پہونچنے تک ماحول کو پرسکون اور قابو میں رکھا جائے اور حضرت ابوبکر کے پہونچتے ہی حضرت عمر نے یہ اعلان کردیا کہ پیغمبرؐ کی وفات ہوگئی ہے،یہ واقعہ ان کے آپس میں پہلے سے طے شدہ پروگرام کا پتہ دیتا ہے۔

٧۔سقیفہ میں انصار کے اجتماع کی خبر بہت ہی پوشیدہ طور پر صرف حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کو دی گئی[2]اور جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جلدی جلدی سقیفہ کی طرف جارہے تھے تو وہ افراد جو پیغمبرؐ کے گھر میں موجود تھے اس ماجرے سے بے خبر تھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اس بات کو تمام مسلمانوں یا کم ازکم قوم کے بزرگ افراد کے سامنے پیش نہ کیا کہ اگر کوئی شرارت کرنا چاہتا ہے تو سب کی رائے سے اس کے بارے میں چارہ جوئی کی جائے ،کیا یہ چیز ان کے حکومت کو حاصل کرنے کے سلسلے میں پہلے سے تیار شدہ سازشوں کی نشاندہی نہیں کرتی؟

سازشوں کے خلاف پیغمبر اسلاؐ کے اقدامات:پیغمبر اسلامؐ وحی الٰہی کے مطابق غدیر خم میں حضرت علیؑ کو اپنی جانشینی پر منصوب کرنے کے باوجود مناسب موقعوں پر اس کی یاد آوری کراتے رہے، لیکن بعض لوگوں کی طرف سے حکومت حاصل کرنے کی مسلسل کوششوں کو دیکھتے ہوئے پیغمبر اسلامؐ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ حضرت علیؑ کی جانشینی اور خلافت کو مضبوط کرنے کے لئے کچھ اور اقدامات بھی کریں ان میں سے ایک روم کے لشکر سے نبرد آزما ہونے کیلئے لشکر کی تیاری بھی تھی ،اس لشکر کی تیاری پیغمبر اسلامؐ

---

[1] السیرة النبویہ:ابن ہشام ج۴ص۳۱۱،۳۰۵،انساب الاشراف :ج۲ص،۷۴۲،تاریخ طبری: ج۳ص۲۱۰۔البدایۃ والنہایۃ: ج ۵ ص۲۶۳،۲۶۲۔
[2] انساب الاشراف: ج۲ص۷۶۴۔السقیفہ وفدک: ص ۵۵،تاریخ طبری :ج۳ص ۲۰۳۔

کی زندگی کے آخری لمحات میں ہوئی اور اسامہ بن زید کو اس لشکر کا سردار بنایا گیا اور تمام انصار و مہاجرین کے بزرگ حضرات خصوصاً حضرت ابوبکر، حضرت عمر، ابوعبیدہ سے تاکیداً کہا گیا کہ وہ اسامہ کی سرداری میں مدینہ سے باہر چلے جائیں اور جس مقام پر اسامہ کے والد شہید ہوئے تھے وہاں کے لئے روانہ ہوجائیں۔ پیغمبر اسلامؐ اس کام کو چند مقاصد کی خاطر انجام دینا چاہتے تھے، ان میں سے ایک مقصد بقول شیخ مفید یہ تھا کہ مدینہ میں کوئی فرد بھی ایسا باقی نہ رہے جو حضرت علیؑ کی خلافت و حکومت پر ان سے سے نزاع کرے[1] اور اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ اسامہ جو ابھی سترہ سالہ جوان[2] تھے لشکر کا سردار بنایا گیا جبکہ وہ تمام بزرگ حضرات اور تجربہ کار لوگ موجود تھے جو اس سے پہلے جنگ احد، جنگ بدر اور خندق میں حصہ لے چکے تھے لیکن اسامہ کو لشکر کا سردار بناکر پیغمبرؐ نے سب پر یہ واضح کردیا کہ کہیں ایسا نہ ہوکہ تم کل کے دن حضرت علیؑ کے جوان ہونے کا بہانہ بناکر ان کی اطاعت سے سرپیچی کربیٹھو۔

جب بعض افراد نے اسامہ کے انتخاب پر اعتراض کیا تو جیسے ہی اس اعتراض کی اطلاع پیغمبرؐ کو دی گئی تو آپؐ غصہ ہوئے اور فوراً منبر پر تشریف لائے اور اسامہ کے باصلاحیت اور اس امر کے لئے انکی لیاقت کے بارے میں تقریر کی[3] لیکن پیغمبرؐ کی وفات کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ اسامہ کو لشکر کی سرداری سے ہٹا دیا جائے مگر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا کہ آپ کی ماں آپ کے غم میں بیٹھے، پیغمبرؐ نے اسے اس امر کے لئے منصوب کیا تھا اب تم چاہتے ہوکہ میں اسے ہٹادوں[4]۔ جولوگ ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ حکومت ان کے ہاتھوں سے چلی جائے وہ اسامہ کے لشکر کے ساتھ جانے سے منع کررہے تھے اور مختلف بہانوں سے اس میں تاخیر کرارہے تھے جب اسامہ نے ان افراد کے ان بہانوں کو دیکھا تو پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ جب تک آپؐ کی طبیعت بالکل صحیح نہیں ہوجاتی لشکر مدینہ سے باہر نہ جائے اور جب آپؐ

---

[1] الارشاد: ج۱ص ۱۸۰،۱۸۱۔
[2] تاریخ یعقوبی :ج۲ص ۱۱۳۔
[3] السیرۃ النبویہ:ابن ہشام ج۴ص ۲۹۹،۳۰۰۔الطبقات الکبریٰ: ج۱ص ۱۹۰،۲۴۹۔
[4] تاریخ طبری ج۳ص ۲۳۶۔

صحت یاب ہوجائیں تو پھر لشکر کوچ کرجائے گا لیکن پیغمبرؐ نے اسامہ سے کہا کہ حرکت کرو اور مدینہ سے باہر چلے جاؤ۔ اسامہ باربار پیغمبرؐ کو ان کی بیماری کا حوالہ دے رہے تھے مگر پیغمبرؐ ہر بار انہیں جانے کے لئے کہہ رہے تھے، یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے اسامہ سے کہا کہ جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اور کوچ کرجاؤ اس کے بعد آپؐ بے ہوش ہوگئے، پیغمبرؐ نے ہوش میں آنے کے بعد پہلا سوال اسامہ کے لشکر کے بارے میں کیا اور اس بات کی تاکید کی کہ اسامہ کے لشکر کو بھیجو اور جو شخص بھی ان کے ساتھ جانے سے منع کرے خدا اس پر لعنت کرے اور اس جملے کو کئی بار دہرایا[1]۔ آخر کار اسامہ کے لشکر نے کوچ کیا اور ''جرف'' نامی جگہ پر جاکر ٹھہر گیا[2] یہ لوگ مسلسل مدینے آتے جاتے رہے یہاں تک کہ جب پیغمبرؐ شدید بیماری کی وجہ سے مسجد نہ جاسکے تو حضرت ابوبکر فوراً پیغمبرؐ کی جگہ پر گئے اور نماز شروع کردی۔

پیغمبرؐ اس سازش کو ناکام بنانے کیلئے اسی حالت میں حضرت علیؑ اور فضل بن عباس کا سہارا لیکر مسجد آئے اور حضرت ابوبکر کو ہٹنے کیلئے کہا اور ان کی نماز کی کوئی پروا نہ کی اور خود پھر سے نماز پڑھائی[3] پیغمبرؐ نماز پڑھانے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر ،حضرت عمر اور چند دوسرے افراد کہ جو مسجد میں حاضر تھے انہیں بلایا اور کہا کہ کیا میں نے تم لوگوں کو حکم نہیں دیا تھا کہ اسامہ کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے باہر چلے جاؤ، کہنے لگے جی ہاں یا رسول اللہ تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ پھر تم لوگوں نے اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ ہر ایک نے ایک بہانہ پیش کردیا، پھر پیغمبرؐ نے تین مرتبہ اس جملہ کی تکرار کی: کہ اسامہ کے لشکر کے ساتھ جاؤ[4] اس سلسلے میں پیغمبرؐ کی کوششوں میں سے ایک کوشش ابوسفیان کو زکوٰۃ کی جمع آوری کے سلسلے میں مدینہ سے باہر بھیجنا ہے جسکو مختلف روایات بیان کرتی ہیں[5] اور شاید ابو سفیان کو یہ ذمہ داری دینے کی وجہ بھی یہی تھی۔ مخالفین کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے پیغمبرؐ کی ایک کوشش نوشتہ لکھنا بھی تھا لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ بعض افراد نے اسے عملی نہ ہونے دیا ممکن ہے کہ یہ سوال پیدا ہو کہ آخر نوشتہ

---

[1] السقیفہ وفدک: ص۷۴۔۷۵۔
[2] السیرۃ النبویہ:ابن ہشام ج۴ص ۳۰۰ (فخرج اسامہ وخرج جیشہ معہ حتی نزلوا الجرف من المدینہ علی فرسخ)
[3] الارشاد:ج:۱ص ۱۸۳۔
[4] الارشاد ۔ج:۱ص۱۸۴
[5] السقیفہ وفدک۔ ص۳۷ ،البتہ انساب الاشراف ج،۲،ص ۷۷۳ نے اس بات کو واقدی سے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ابو سفیان پیغمبرؐ کی وفات کے وقت مدینہ میں تھالہٰذا ایسی صورت میں یہ دلیل قابل قبول نہیں ہے۔

لکھنے کا کام پیغمبرؐ نے اپنی صحت وتندرستی کے زمانہ میں کیوں نہ انجام دیا تاکہ یہ شبہ ہی پیدا نہ ہوتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ کہ اس چھوٹے سے واقعہ نے بہت سے لوگوں کے چہروں کو بے نقاب کردیا کہ وہ کس حد تک پیغمبرؐ پر یقین اور اعتماد رکھتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ پیغمبرؐ لشکر اسامہ کی ترتیب سے مسئلہ کو حل شدہ دیکھ رہے تھے لیکن بعض افراد کی مخالفت کی وجہ سے مسئلہ برعکس ہوگیا کیونکہ ابھی تک پیغمبر اسلامؐ کے قول کی ایسی کھلی ہوئی مخالفت نہ ہوئی تھی جیسا کہ شیخ مفید نے ذکر کیا ہے کہ جب پیغمبرؐ نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور بعض دوسرے افراد کی لشکر اسامہ میں جانے کی مخالفت کو دیکھا تو نوشتہ لکھنے کا ارادہ کیا[1]نتیجہ یہ کہ پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت اور جانشینی کو مضبوط کرنے کے لئے ہر ممکنہ قدم اٹھایا مگر اس بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ پیغمبرؐ ہرگز اس بات کو نہیں چاہتے تھے کہ حضرت علیؑ کو لوگوں پر مسلط کردیا جائے یا کوئی ایسا کام کریں جس سے یہ معلوم ہو کہ زبردستی لوگوں پر حضرت علیؑ کو مسلط کیا جارہا ہے بلکہ آپ چاہتے تھے ابلاغ وحی کے سلسلے میں اپنے وظیفہ پر اچھی طرح عمل کریں اور لوگوں کو یہ بات سمجھا دیں کہ آپ انکی فلاح وبہبود واصلاح اور ہدایت کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اور یقیناً آپؐ نے ایسا ہی کیا اب جو چاہے ہدایت کا راستہ اختیار کرے اور جو چاہے گمراہی کا ۔ حضرت علیؑ خود بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے سیاسی گٹھ جوڑ کرکے اپنی حکومت کو مضبوط کیا جائے اس لئے کہ حضرت علیؑ حکومت کوانسانوں کی ہدایت کے لئے چاہتے تھے اور انسانوں کی ہدایت زور زبردستی اور سیاسی حربوں کے بعد ممکن نہیں خاص طور سے جبکہ سیاسی گٹھ جوڑ خود نقص غرض کا حصہ ہو۔

حضرت علیؑ ان تمام چیزوں سے بلند وبالا ہیں کہ وہ حکومت حاصل کرنے کے لئے اسکے پیچھے دوڑ لگائیں اور اسے لوگوں پر تحمیل کریں اس لئے کہ اگر لوگ ان کی حکومت کے طلبگار ہوتے تو خود ہی پیغمبرؐ کی وصیت پر عمل کرتے ورنہ ان کی بھاگ دوڑ پیغمبرؐ کی وصیتوں سے زیادہ مؤثر نہیں ہوسکتی تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول خداؐ کی رحلت کے بعد عباس نے جو پیغمبرؐ کے چچا تھے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے تاکہ آپ کی بیعت کروں اور تمام بنی ہاشم آپ کی بیعت کریں، آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی

---

[1] الارشاد :ج۱ص ۱۸۴۔

ایسا بھی ہے جو ہمارے حق کا انکار کرے؟ عباس نے فرمایا کہ آپ بہت جلد دیکھ لیں گے کہ لوگ ایسا ہی کریں گے[1]۔ ہماری نظر میں جو کچھ عباس دیکھ رہے تھے حضرت علیؑ اسے بخوبی جانتے تھے لیکن دراصل بات یہ تھی کہ اگر لوگ پیغمبرؐ کی وصیت پر عمل کرنا چاہتے تو پھر پوشیدہ طور پر کسی بیعت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی یا آج کی اصطلاح حکومت کا تختہ پلٹنے کی ضرورت نہیں تھی، اگر لوگ حضرت علیؑ کی قدر منزلت کو نہیں جانتے اور آپکی حکومت نہیں چاہتے تو پھر اس کوشش اور محنت کی کوئی معنوی قدر و قیمت نہ ہوتی اور اسکا کوئی خاص فائدہ بھی نہ تھا، اس لئے کہ پیغمبرؐ کو جو کچھ وصیت کرنا تھی وہ کر چکے تھے اب یہ ذمہ داری مسلمانوں کی تھی کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ پر اعتماد ویقین کرکے انکی اطاعت کرتے اور یہ بات حضرت علیؑ کے ان جملوں سے بخوبی سمجھی جا سکتی ہے جو آپ نے حضرت عثمان کے قتل کے بعد جب لوگ آپ کے پاس بیعت کرنے کے لئے آئے تو آپ نے تقریر کے دوران ادا کئے۔

دور خلفاء میں حضرت علیؑ کا سکوت ہرگز اس بات پر دلیل نہیں کہ آپ ان کے پابند، ان کے ہم خیال اور انہیں اس کا حقدار سمجھتے تھے بلکہ بارہا اپنی مخالفت کو واضح طور پر بیان کرتے رہے اور اس امر میں ہرگز کوتاہی سے کام نہیں لیا اور اگر آپ کے موافقین کی تعداد زیادہ ہوتی تو یقینی بات ہے کہ آپ حکومت سے دستبردار نہ ہوتے مگر جو لوگ آپ کے ساتھ تھے انکی تعداد اتنی کم تھی کہ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد حالات اس بات کی اجازت نہیں دہے تھے کہ آپ مسلحانہ انداز میں قیام کریں اور یہی وہ سیرت اور طریقہ کار ہے جسکا مشاہدہ اور دوسرے معصومین کی زندگی میں بھی کیا جا سکتا ہے البتہ یہ ایک طویل بحث ہے کہ جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔

انصار کی چارہ جوئی: گذشتہ بیان کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ انصار سقیفہء بنی ساعدہ میں اس لئے جمع ہوئے تھے کہ رونما ہونے والے یہ تمام حوادث کسی سے پوشیدہ نہ تھے کہ کوئی ان سے بے خبر ہوتا، انصار اور مہاجرین کا ہر فرد یہ جانتا تھا کہ مدینہ میں جلد ہی تبدیلیاں آنے والی ہیں اور حادثات رونما ہونے والے ہیں لیکن کوئی مکمل طور سے اس بات کو نہیں جانتا تھا کہ آخر کیا ہونے والا ہے؟ اسی لئے مختلف گروہ حکومت کے حصول کے لئے مکمل کوشاں تھے۔ لہٰذا یہ مسئلہ واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اکرمؐ کی

[1] انساب الاشراف ج۲ص۷۶۷

وفات کے بعد مدینہ کے حالات اس قابل نہ تھے کہ جس میں حضرت علیؑ کی خلافت اور حکومت کا قیام عمل میں آتا یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی اس سلسلے میں یہ سوال کررہے تھے کہ کیا لوگ پیغمبرؐ کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت کو قبول کرلیں گے یا نہیں ؟ یہ بات قابل غور ہے کہ عباس کا سوال اس بات کے بارے میں نہیں تھاکہ حکومت کا لائق اور سزاوار کون ہے؟اس لئے کہ عباس، حضرت علیؑ سے زیادہ کسی کو اس امر کے لائق نہیں سمجھتے تھے اور ہمیشہ حضرت علیؑ کو بیعت کی پیشکش کرتے تھے[1]،جتنے بھی مآخذ ومنابع عباس بن عبدالمطلب کے اس سوال کا ذکر کرتے ہیں ان میں یہ چیز بیان نہیں ہوئی کہ عباس نے پوچھا ہو کہ پیغمبرؐ کے بعد ان کی جانشینی کا کون مستحق ہے؟

بلکہ عباس کا سوال یہ ہے کہ آخر پیغمبرؐ کے بعد کیا ہوگا؟ کیا حکومت بنی ہاشم میں باقی رہے گی یا نہیں ۔شیخ مفید نے اسے بہترین انداز میں بیان کیا ہے کہ عباس نے پیغمبرؐ سے پوچھا وان یکن ہذا الأمر فینا مستقراً بعدک فبشّرنا یعنی اگر ولایت وحکومت آپ کے چلے جانے کے بعد ہمارے درمیان باقی رہے گی تو ہمیں اس کی بشارت دیجئے ۔ پیغمبرؐ نے جواب میں فرمایا کہ آپ لوگ میرے بعد متضعفین میں سے ہوں گے[2]،یہاں سوال یہ نہیں کہ یہ حق کس کا ہے بلکہ بحث اس پر ہے کہ یہ حق جو حضرت علیؑ کا ہے کیا انہیں مل بھی جائے گا یا نہیں؟ عباس واقعہ غدیر سے بے خبر نہ تھے مگر اسکے بعد کے حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے اس قسم کے سوالات کررہے تھے۔انصار کہ جنہوں نے قریش کے خلاف بڑھ چڑھ کر جنگوں میں حصہ لیا تھا اس بات سے خوفزدہ تھے کہ اگر پیغمبرؐ کے بعد حضرت علیؑ مسند خلافت پر نہ بیٹھے کہ جس پر بہت سے شواہد وقرائن دلالت کررہے ہیں،توکیا ہوگا؟انصار کو زیادہ ترخوف اس بات کا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہوکہ بنی امیہ کہ جو حکومت کے حصول کے لئے بھرپور کوشش کررہے ہیں برسر اقتدار آجائیں تو ایسی صورت میں انصار کی حالت بدتر ہوجائے گی اوروہ ہمیشہ بنی امیہ کے انتقام کا نشانہ بنے رہیں گے۔ایسی صورت میں انصار کے لئے ضروری تھا کہ آئندہ کے لئے کوئی چارہ جوئی کریں کیوں کہ مدینہ انکا اپنا وطن تھا اور مہاجرین دوسری جگہ سے ہجرت کرکے انکے وطن میں آئے تھے

[1] انساب الاشراف :ج۲ص۷۶۷ ،الامامۃ والسیاسیۃ:ص۲۱۔
[2] ارشاد:ج۱ص۱۸۴

لہذا اس اعتبار سے وہ اپنے آپ کو حکومت کا زیادہ حقدار سمجھ رہے تھے اسی لئے وہ پیغمبرؐ کی وفات کے فوراً بعد سقیفہ میں جمع ہوگئے کہ آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہوگا اگر کوئی حادثہ پیش آگیا تو انہیں کیا کرنا ہے۔اس وقت کے تمام قرائن اور شواہد کی روشنی میں جب انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت علیؑ کو خلافت وحکومت ملنا ممکن نہیں ہے تو بہتر یہی سمجھا کہ اپنے درمیان سے ہی کسی ایک کو اس امر کے لئے منتخب کرلیں،لہٰذا سعد بن عبادہ کو بلایا کہ وہ اس اجتماع میں شریک ہوں تاکہ انکی بیعت کی جائے کیونکہ جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حضرت علیؑ کو خلافت ملنے والی نہیں ہے تو پھر ان سے زیادہ اس امر کا سزاوار کون ہوسکتاہے ہماری اس بات کی تائید کے لئے بہت سے شواہد موجود ہیں جنکی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ا۔انصار کو حضرت علیؑ کی خلافت پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ وہ مکمل طور سے اس پر راضی تھے ۔ جیسا کہ طبری[1]اور ابن اثیر[2]نے نقل کیا ہے کہ سب کے سب یا بعض انصار نے سقیفہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سامنے یہ بات کہی تھی کہ ہم حضرت علیؑ کے علاوہ کسی اور کی بیعت نہ کریں گے اور اسی طرح یعقوبی نے بھی اس بارے میں کہا ہے کہ ''وکان المهاجرون والانصار لایشکون فی علي[3]''انصار ومہاجرین کو حضرت علیؑ کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ تھا'' اور دوسری جگہ نقل کیا ہے کہ عبدالرحمن بن عوف نے انصار سے کہاکہ کیا تمہارے درمیان حضرت ابوبکر،حضرت عمراور حضرت علیؑ جیسے افراد موجود نہیں ہیں تو انصار میں سے ایک نے کہا کہ ہم ان افراد کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں اس لئے کہ انکے درمیان ایک ایسا شخص موجود ہے کہ اگر وہ اس امر خلافت کو طلب کرے تو ہم میں سے کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کریگا یعنی علیؑ بن ابی طالبؑ[4]اسکا مطلب یہ ہے کہ انصار غدیر خم کے واقعہ سے بے خبر نہ تھے اور ہرگز حضرت علیؑ کی خلافت کے منکر نہ تھے اور سقیفہ میں ان کا جمع ہونا ہرگز حضرت علیؑ کوخلافت سے دور کرنے کے لئے نہ تھا لیکن وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ کچھ لوگ حکومت حاصل کرنے کے لئے بے انتہا کوشش کررہے ہیں جب کہ حضرت علیؑ کی طرف سے حکومت کے لئے کسی بھی قسم کی سیاسی اور سماجی کوششیں دیکھنے میں نہیں آرہی تھیں لہٰذاانہیں یقین ہوگیا تھاکہ ایسی صورت حال کے پیش نظر حضرت علیؑ

[1] تاریخ طبری: ج۳ص ۲۰۲۔
[2] الکامل فی التاریخ: ج۲ص ۱۰۔
[3] تاریخ یعقوبی: ج۲ص ۱۲۴۔
[4] تاریخ یعقوبی :ج۲ص ۱۲۴۔

کسی بھی طرح خلافت پر نہیں آ سکتے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ یوں کہا جائے کہ بعض افراد کسی بھی صورت میں حضرت علیؑ کو خلافت تک نہیں پہنچنے دینگے ۔ لہذا انصار کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے لئے کوئی چارہ جوئی کریں گویا وہ مستقل طور پر اپنے لئے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنا چاہتے تھے ۔

۲۔انصار کا سقیفہ میں مہاجرین کو یہ پیشکش کرنا کہ ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمہارااس بات کی واضح دلیل ہے کہ انصار فقط یہ چاہتے تھے کہ وہ بھی حکومت میں شریک رہیں اور اس طرح وہ قریش کے احتمالی خطرات سے محفوظ رہنا چاہتے تھے،(گویا ہر صورت میں حکومت میں حصہ دار بن کر اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے)۔

۳۔سقیفہ میں انصار کی گفتگو ان کے اہداف کو واضح کرتی ہے اسکے علاوہ قاسم بن محمد بن ابوبکر کی روایت بھی انصار کے سقیفہ میں اجتماع کے مقصد کی طرف اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ (ولکنا نخاف اَن یلیہ اقوام قتلناآباءھم واِخوتھم[1]) لیکن ہمیں ڈر اس بات کا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو ان کے بعد وہ لوگ برسراقتدار آجائیں کہ جن کے باپ اور بھائیوں کو ہم نے قتل کیا تھا،جیسا کہ دینوری اور جوہری نے نقل کیا ہے کہ انصار نے کہا کہ ہمیں ڈر اس بات کا ہے کہ کل کہیں وہ لوگ برسر اقتدار نہ آجائیں کیونکہ نہ وہ ہم میں سے ہیں اور نہ تم میں سے[2]۔اس بیان سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ انصار مکمل طور سے اس بات کو جانتے تھے کہ بعض ایسے افراد حکومت کو حاصل کرنے کے لئے کوشش کررہے ہیں کہ جو سالہا سال مسلمانوں سے جنگ کرتے رہے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جنکے باپ اور بھائیوں کو جنگ میں انصار نے قتل کیا تھا اگر وہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے تو انصار ان کے انتقام سے کسی صورت نہیں بچ سکتے اور وہ بنی امیہ اور ان کے طرفداروں کے علاوہ کوئی اور نہ تھا،اگرچہ خود حضرت ابوبکر سے انہیں اس قسم کا خوف نہ تھا[3]لیکن باتجربہ اور زیرک انصار جیسے حباب بن منذر اس بات کو بخوبی سمجھ رہے تھے کہ اگر آج حضرت ابوبکر جیسے لوگ مسند

[1] الطبقات الکبری :ج۳ص ۱۸۲،انساب الاشراف:ج ۲ص۷۶۲۔السقیفہ وفدک: ص۴۹۔
[2] الامامة والسیاسیة :ص۲۳ ۔السقیفہ وفدک :ص ۵۷
[3] الطبقات الکبری: ج۳ص ۱۸۲

خلافت پر بیٹھ جائیں گے تو کل یقینی طور پر حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی کہ جن کی انصار سے نہ بنے گی اور وہ ان سے انتقام اور بدلہ لینے کی فکر میں رہیں گے، حباب بن منذر کی یہ پیش گوئی بیحد لائق تعریف ہے اس لئے کہ انہوں نے جیسی پیش گوئی کی تھی ویسا ہی ہوااور ابھی کچھ وقت بھی نہ گزرا تھا کہ فرزندان طلقاء اقتدار میں آگئے اور اسلام و مسلمین نیز پیغمبر اسلامؐ کے اہل بیتؑ پر وہ ظلم ڈھائے کہ جس کی ایک مثال واقعہء کربلا ہے ۔

۴۔ در حقیقت سقیفہ میں انصار کا جمع ہونا ایک مخفیانہ عمل تھا اور کسی کو اسکی اطلاع نہ تھی اب اگر ان کا مقصد تمام مسلمانوں کے لئے خلیفہ کا انتخاب تھا تو اس صورت میں اس قسم کا خصوصی جلسہ ان کی شایان شان نہ تھا، اگر چہ وہ جلسہ کے اختتام پر اس نتیجہ پر پہنچے کہ خلیفہ کا تعین کیا جائے،مگر وہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ یہ کام تمام مسلمانوں کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگا جیسا کہ ابو مخنف کی روایت اس چیز کو بیان کرتی ہے کہ اگر مہاجرین نے قبول نہ کیا تو کیا کہیں گے ؟ یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ در حقیقت وہ اپنے لئے سقیفہ کے اجتماع کے ذریعہ آئندہ کا لائحہ عمل تیار کررہے تھے اور بعد میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ خلیفہ کا انتخاب بھی کرہی لیا جائے ۔

۵۔انصار حضرت ابوبکر کی تقریر کے بعد کہ جس میں انہوں نے انصار کو وزارت اور مشاورت کا عہدہ دینے کا وعدہ کیا[3] اختلاف کا شکار ہوگئے،بعض انصار جیسے حباب بن منذر اور سعد بن عبادہ حضرت ابوبکر پر اعتماد نہ رکھتے تھے لہٰذا یہ کہا کہ اس کی بات پر توجہ نہ کرو، لیکن بعض دوسرے افراد جیسے، بشیر بن سعد کہ جو سعد بن عبادہ کا چچازاد بھائی تھا اور اس سے حسد اورکینہ رکھتا تھا حضرت ابوبکر کی طرف مائل ہوگیا اور سب سے پہلے حضرت ابوبکر کی بیعت کی[4] اور انصار میں دوسرا اختلاف اوس وخزرج کی آپسی رقابت کی وجہ سے پیش آیا کہ جس کے سبب قبیلہ اوس نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی[5] اور پھر جو ہونا تھا وہ ہوا،اس سلسلے میں ہم شیخ مفید کا قول

---

[1] آزاد شدہ
[2] تاریخ طبری : ج۳ص۲۱۹،۲۱۸۔
[3] تاریخ طبری : ج۳ص۲۲۰، الطبقات الکبریٰ ج۳ص۱۸۲۔
[4] تاریخ طبری :ج۳ص۲۲۰۔
[5] تاریخ طبری : ج۳ص۲۲۱۔

نقل کرتے ہیں جو نہایت متین ہے وہ یہ کہ جو کچھ حضرت ابوبکر کے حق میں ہوا اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ انصار آپس میں اختلاف رکھتے تھے نیز طلقاء اور مولفۃ القلوب بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کام میں تاخیر ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تاخیر کے سبب بنی ہاشم کو فرصت مل جائے اور یہ حکومت اپنی جگہ پہونچ جائے اور چونکہ حضرت ابو بکر وہاں موجود تھے اسلئے انکی بیعت کرلی[1]۔

گذشتہ مباحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انصار کی پیشن گوئی اورانکا خدشہ مکمل طور سے بجا تھا لیکن انکا یہ اجتماع پیغمبر اسلامؐ کی تجہیز و تکفین سے پہلے کسی بھی صورت میں صحیح نہ تھا بلکہ یہ انکی جلد بازی اور بے نظمی کی دلیل ہے جس کے نتیجے میں دوسرے افراد کو یہ موقع ملا کہ انہوں نے اپنی رائے ان پر مسلط کردی،البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ انصار پر بھی پہلے ہی سے کام کیا گیا ہو اور انہیں بنی امیہ سے بیحد ڈرایا گیا ہو،اگر انصار صبر سے کام لیتے یا اسی سقیفہ میں حضرت علیؑ کی حمایت میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے تو یقینی طور پر دوسرے لوگ بآسانی حضرت علیؑ کے ہاتھ سے حکومت لینے میں کامیاب نہ ہوتے اس لئے کہ اس وقت انصار ایک ممتاز مقام رکھتے تھے جس کی دلیل خود حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا انصار کے اجتماع میں آنا ہے،اس لئے کہ اگر انصار اس امر میں کوئی اہمیت نہ رکھتے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کسی بھی صورت میں جلدی جلدی اپنے کو اس اجتماع میں پہونچا کر وہاں اپنی حکومت کی بنیاد نہ رکھتے۔

[1] ارشاد: ج۱ص ۱۸۹ ’’واتفق لابي بكر ما اتّفق ،لاختلاف الانصار فيما بينهم وكراهة الطلقاء والمؤلّفة قلوبهم من تأخر الامرحتىٰ يفرغ بنى ہاشم،فيتقر الامر مقرّه ،فبا يعوا بابكر لحضوره المكان‘‘

چوتھا حصہ

ابو مخنف کی روایت پر کئے گئے اعتراضات اور ان کے جوابات

تمہید

واقعہ سقیفہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایت کے مطالعہ کے بعد ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں اپنی سوچ یا تاریخی معلومات کی بنا پر کچھ اعتراضات ابھریں کہ جنہیں وہ واقعاً اعتراض سمجھتا ہو یا انکے بارے میں صحیح اور مستند جواب چاہتا ہے، کتاب کا یہ حصہ اعتراضات کے بیان اور ان کے جوابات کے لئے مخصوص کیا گیا ہے ،اس حصہ میں ذکر ہونے والے اعتراضات محض فرضی نہیں ہیں بلکہ یہ وہ اعتراضات ہیں جو اہل سنت [۱] کے ایک مورخ نے ابو مخنف کی روایت [۲] کے بارے میں کئے ہیں لہذا ہم اس بحث کو صحیح صورت میں آپ کے سامنے پیش کرنے کے لئے ان اعتراضات کو ذکر کرنے کے بعد منصفانہ طور پر ان کا جواب دیں گے۔

پہلا اعتراض

''روایت کی سند سے متعلق'' اس سلسلے میں سب سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ روایت صرف ابو مخنف نے نقل کی ہے اور ابو مخنف کے ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ ہشام بن کلبی بھی ضعیف ہونے کے اعتبار سے ابو مخنف سے کم نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ کہ ''عبداللہ بن عبدالرحمان بن أبی عمرہ'' اس واقعہ کا عینی شاہد نہ تھا اس لئے کہ وہ اس زمانہ میں موجود نہ تھا [۳]۔

---

[۱] کتاب مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری ،یہ کتاب " یحییٰ بن ابراہیم بن علی یحیٰی ''نے ڈاکٹر اکرم ضیا ء العمری کے زیر نظر لکھی اور ۱۴۱۰ ھ ق میں دارالعاصمہ ریاض میں چھپی ہے۔

[۲] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابی مِخنف کی روایت پر کئے گئے اعتراضات در حقیقت ایک خاص راوی کے بارے میں ایک خاص شخص کے اعتراض نہیں ہیں بلکہ یہ اہل سنت کے ایک خاص گروہ کاکام ہے جو ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ شیعوں کے ہر نظریہ کو کمزور قرار دیا جائے اور کیونکہ اہل تشیع کی اکثر تاریخی روایات کا تعلق ابو مِخنف سے ہے لہٰذا ابو مِخنف کی روایات کو ضعیف ثابت کرکے وہ اپنے مقصد تک پہنچنا چاہتے ہیں ۔

[۳] مرویات أبی مِخنف فی تاریخ الطبری۔

جواب: اس اعتراض میں چند مختلف مطالب کی طرف اشارہ ہے لہذا ہم ایک ایک کرکے ان کا جواب دے رہے ہیں۔

الف۔یہ دعویٰ کہ اس روایت کو تنہا ابو مخنف نے نقل کیا ہے۔یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ یہ معترض کی کم علمی اور ضروری تحقیق نہ کرنے کی دلیل ہے اس لئے کہ ابو مخنف کی روایت کا مضمون یا وہی مضمون کچھ اضافہ کے ساتھ دوسرے مورخین نے بھی نقل کیا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ا۔دینوری نے اپنی کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں یہ روایت جس سند کے ساتھ نقل کی وہ یہ ہے۔ حدثنا ابن عُفیر،عن أبی عون، عن عبداللہ بن عبدالرحمان الانصاری رضی اللہ عنہ[1]

۲۔دوسری سند جسے جوہری نے یوں نقل کیا ۔أخبرنی احمد بن اسحاق قال:حدثنا احمد بن سیّار ،قال: حدثنا سعید بن کثیر بن عفیر الانصاری : ان النبی[2]

۳۔ابن اثیر سلسلہ سند کی طرف اشارہ کئے بغیر اعتماد کے ساتھ کہتا ہے، وقال ابو عمر الانصاری:لمّا قبض النبي[3]

خلاصہ یہ کہ یہ تین یا چار سندیں ایک ہی روایت کو بیان کرتی ہیں یہاں تک کہ ان میں بہت سے الفاظ اور جملے بھی ایک جیسے ہیں،ان چار سندوں میں سے صرف ایک سلسلہء سند میں ابو مخنف ہیں ۔

ب۔دوسری بات جو اعتراض کے عنوان سے پیش کی گئی وہ یہ ہے کہ ابو مخنف اور ہشام بن کلبی دونوں ضعیف ہیں ۔ ابو مخنف اور ان کی روایت پر اعتماد کے بارے میں حصہ اول میں تفصیل کے ساتھ بحث کی جا چکی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ شیعہ علماء رجال نے ان پر مکمل اعتماد کیا ہے اور اہل سنت کے مورخین نے بھی معمولاً ان پر اعتماد کیا ہے اور بعض نے تو فقط ان کی روایت ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کی ہے کیا یہ چیز ان کے قابل اعتماد ہونے کی نشاندہی نہیں کرتی ہے؟اور ہشام بن کلبی بھی شیعہ علماء رجال کے نزدیک ایک معروف اور قابل اعتماد شخصیت ہیں جیسا کہ نجاشی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ فضل و علم کے حوالے

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ :ج۱ص ۲۱
[2] لسقیفہ وفدک جوہری: ص ۵۴، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۶ص ۵
[3] الکامل فی التاریخ : ج ۲ص ۱۲۔

سے مشہور اور امام صادقؑ کے نزدیک ترین اصحاب میں سے تھے[1]۔ اہل سنت کے علماء نے فقط انہیں شیعہ ہونے کی وجہ سے ''متروک'' جانا ہے اور ظاہراً شیعہ ہونے کے علاوہ کوئی دوسری وجہ ضعیف ہونے کی ذکر نہیں کی، جیسا کہ ابن حبان نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ''وکان غالیاً فی التشیع[2]'' اور ذہبی کا کہنا ہے کہ ''وترکوہ کأبیہ وکانا رافضیین[3]''۔ لیکن یاقوت حموی کا کہنا ہے ''الاخباري، النسابہ ،العلامہ ،کان عالماً بالنسب واخبار العرب وایاہا وو قائعہا و مثالبہا[4]'' اخباری ،نسابہ ،علامہ اور عربوں کے شجرۂ نسب اور انکے مختلف ادوار کے حالات وواقعات اور عیوب کے عالم تھے، یہ پوری عبارت ان کی علمی عظمت پر دلالت کرتی ہے لہٰذا ہمارے پاس کوئی ایسی خاص دلیل نہیں ہے کہ جس کی بنا پر انہیں چھوڑدیا جائے اسی لئے ہم انہیں قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔

ج۔ البتہ یہ دعویٰ کہ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی عمرہ نے اس زمانہ کو درک نہیں کیا لہٰذا وہ اس واقعہ کا عینی شاہد نہیں ہوسکتا بالکل صحیح ہے اور اس طرح یہ روایت منقطع ہوکر رہ جائیگی لیکن یہ چیز کسی خاص مشکل کا سبب نہیں بنے گی اور اس اعتراض کے دو جواب ہیں، نقضی اور حلّی۔

نقضی جواب: اول یہ کہ علماء کرام تاریخی واقعات کے متعلق روایات کی سند کے بارے میں کوئی خاص توجہ نہیں دیتے ہیں البتہ اسکا مطلب ہرگز یہ بھی نہیں کہ جس خبر کو جہاں سے سنا اسے قبول کرکے نقل کردیا بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ جس طرح فقہی روایات کی سند پر غور کیا جاتاہے اس طرح کی توجہ یہاں نہیں کی جاتی بلکہ اگر کوئی خبر کسی ایسے عالم سے سنی جائے جو مشہور معروف اور قابل اعتماد ہو اور عقلاء اس پر اطمینان کا اظہار کریں تو اسے کافی سمجھتے ہیں اور سند کے بجائے اس کے مضمون پر غور کرتے ہیں

دوسرے یہ کہ اگرپوری تاریخ کو سندی اعتبار سے دیکھا جائے تو شاید ہی تاریخ میں کوئی چیز باقی رہے ۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں اکثر روایات کو ختم کردیا جائے اور فقط ان صحیح روایات پر اکتفا کی جائے جو احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں تو ایسے میں گزشتہ

---

[1] رجال نجاشی: ص ۴۳۴۔
[2] کتاب المجر وحین :ج۲ص ۹۱ (وہ ایک غالی شیعہ ہیں)
[3] دیوان الضعفا والمتروکین: ج۲ص ۴۱۹ (انہیں ان کے والد کی طر ح متروک جانا ہے اوروہ دونوں شیعہ تھے)
[4]

واقعات کی صحیح تصویر پیش نہیں کی جا سکتی۔ تیسرے قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہی احادیث کی کتابیں جب تاریخی واقعات کو بیان کرتی ہیں تو مرسل، منقطع و ۔ ۔ روایات سے پُر دکھائی دیتی ہیں، ہم یہاں بعنوان مثال فقط ان چند روایات کا تذکرہ کرتے ہیں جو واقعہء سقیفہ کے بارے میں ہیں اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ معترض نے ابو مخنف کی روایت کے لئے جن روایات کا سہارا لیا ہے خودان کا تعلق بھی ''مرسلہ روایات '' سے ہے۔ جو روایت مسند احمد بن حنبل میں حمید بن عبدالرحمن سے نقل ہوئی ہے یہ روایت حضرت ابوبکراور حضرت عمر کے سقیفہ میں جانے نیز حضرت ابوبکر کی سقیفہ میں تقریرکہ جس میں انہوں نے انصار کی فضیلت اور پیغمبر کی اس حدیث کونقل کیا ہے جس میں آنحضرت نے فرمایا : ''حکومت قریش میں ہونی چاہیے'' اس کے بعد سعد بن عبادہ کی تصدیق اوربیعت کرنے کوبیان کرتی ہے۔

معترض نے بارہا ابو مخنف کے مطالب کو رد کرنے کے لئے اس روایت سے استفادہ کیا ہے جب کہ یہ بھی ایک '' مرسلہ روایت ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ ،جو اُن کے نزدیک شیخ الاسلام ہے ''منہاج السنہ'' میں اس روایت کے بارے میں کہتا ہے '' ھذا مرسل حسن[۱]'' یہ روایت مرسل اور حسن ہے۔اور عجیب بات تو یہ ہے کہ معترض نے حاشیہ پر خود ابن تیمیہ کا یہ جملہ نقل کیا ہے[۲] لیکن اپنے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ آخر میں خود اس روایت کے مرسل ہونے کے باوجود کیوں اتنے وثوق سے اس پر عمل کررہا ہوں۔

۲۔ وہ روایت جو ابن ابی شیبہ[۳] نے ابو اسامہ کے توسط سے بنی زریق کے ایک آدمی سے واقعہ سقیفہ کے بارے میں نقل کی ہے اور یہ روایت چونکہ بنی زریق کے نامعلوم شخص سے نقل ہوئی ہے لہٰذا یہ سندی ابہام سے دو چار ہے اس کے باوجود معترض نے اس روایت پر بھی اعتبار کیا ہے[۴]۔

---

[۱] منہاج السنہ :ج۱ص ۵۳۶

[۲] مرویات أبی مِخنف فی تاریخ الطبری: ص ۱۶۶

[۳] الکتاب المصنف :ج۷ص ۴۳۳ (حدیث ۴۰،۳۸۰)

[۴] مرویات أبی مِخنف فی تاریخ الطبری: ص ۱۱۷ (البتہ اس کا کہنا ہے کہ ابن شیبہ نے اس روایت کو ابن سیرین کے ذریعے نقل کیا ہے)

۳۔وہ روایت جو ''الطبقات الکبریٰ[1]''میں قاسم بن محمد بن ابی بکرصدیق تیمی سے نقل ہوئی ہے یہ روایت بھی مرسل ہونے کے باوجود معترض کے لئے قابل استناد ہے[2]۔یہ مرسلہ روایات کی چند مثالیں تھیں تاریخ کے دسیوں بلکہ سیکڑوں ابواب میں سے ایک خاص باب کے بارے میں او ریہی روایات ان لوگوں کی نظر میں قابل اعتماد واستناد ہیں جو تاریخ کی اسناد کے بارے میں مختلف شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں ۔چوتھے یہ کہ خود معترض نے اپنی کتاب کے مقدمہ[3] میں یہ بات کہی ہے کہ ایک مورخ کو فقط خبر پر نظر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کے مختلف پہلوؤں پر بھی غور کرنا چاہیے، لہٰذا کسی خبر کے بارے میں اس کی صحت اور ضعف کا فیصلہ کرنا اس کے مختلف پہلوؤں کے مطالعہ کے بعد ہی صحیح ہے اس لئے کہ کبھی اس کا نتیجہ مسلّم حقائق کے انکار کا موجب بنتاہے اور اپنے قول کی تائید کے سلسلے میں امام مالک کے اس قول کو بعنوان شاہد پیش کرتا ہے کہ ''صحابہ کی بد گوئی نبیؐ کی بدگوئی کے مترادف ہے''۔

اس بنا پر اگر کوئی خبر کتنی ہی صحیح السند کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ ایسے مطالب کو بیان کرے جو قابل قبول نہ ہوں مثال کے طور پر کسی صحابی کے عیوب ونقائص کو بیان کرتی ہو تو یہ روایت انکے نزدیک ضعیف ہے، لہٰذا سند کی تحقیق کرنے سے پہلے اسکے مطالب پر نظر کی جائے کہ کہیں کسی کے مسلم نظریات سے تعارض نہ رکھتی ہو تو اگر اس خبر کے مطالب قابل قبول ہیں تو سند کو بھی صحیح کر لیا جائے گا!! ایسی صورت میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام کو بآسانی سمجھا جاسکتاہے کہ جہاں اس نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل وحسن ہے، یعنی مرسل بھی ہے اور حسن بھی، اور اس طرح ابن عدی کے کلام کو ابو مخنف کے بارے میں بھی بخوبی سمجھا جاسکتاہے کہ ابن عدی کا کہنا ہے کہ ابو مخنف نے ایسی روایات کو نقل کیا ہے کہ دل نہیں چاہتا کہ انہیں نقل کیا جائے[4] در حقیقت ابو مخنف کے ضعیف ہونے کا سبب ان کی روایات کا متن اور مضمون ہے جو ان کے مفروضہ نظریات کے خلاف ہے۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ :ج۳ص ۱۸۲۔
[2] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری ص۱۱۸۔
[3] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری: ص۹۔
[4] الکامل فی ضعفا ء الرجال :ص۲۴۱ " وانما لہ من الاخبار المکروہ الذی لا استحب ذکرہ

لہٰذا تاریخ کی سند میں غور و فکر اور شک وشبہ کے دعویٰ کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ کوئی گنجائش ہے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دعویدار اس قسم کی باتوں سے اپنے مخالفین کے وجود سے میدان کو صاف کرنا چاہتے ہیں، لیکن جب بات اپنی اور اپنے عقائد کے اثبات کی آجاتی ہے تو پھر روایت کا متن اور اس کے مطالب ہی سب کچھ ہوتے ہیں (اور پھر سند کی صحت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا)۔

حلی جواب: ممکن ہے کہ سلسلہ ء اسناد میں سے کلمہء ''عن'' حذف ہو گیا ہو یعنی در حقیقت اس طرح ہو۔ عبداللہ بن عبدالرحمن [عن ابیہ] عن ابی عمرۃ الانصاری یہ محض ایک ضعیف احتمال نہیں ہے بلکہ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، اس کے علاوہ ہم اس مطلب کی تائید کے لئے شواہد اور قرائن بھی رکھتے ہیں اور وہ یہ کہ ابن اثیر کہتا ہے ''قال ابو عمرۃ الانصاری[1]'' یہ بات اس چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جو نسخہ اس کے پاس موجود تھا اس میں اس روایت کو ابو عمرۃ انصاری سے نقل کیا گیا ہے نہ عبداللہ بن عبدالرحمن سے اور اگر بالفرض اس احتمال کو قبول نہ کریں تو یہ بات واضح ہے کہ جب عبداللہ بن عبدالرحمن خود اس واقعہ کا شاہد عینی نہیں ہے تو یقیناً اس نے یہ خبر اپنے والد اور اس کے والد نے ابی عمرۃ انصاری (اس کے دادا) سے نقل کی ہے، اور عزیز واقارب میں سلسلہ ء سند کا حذف کردینا اس دور میں ایک معمول تھا۔

اس کے علاوہ ان تینوں (ابو مخنف، جوہری اور دینوری) کی نقل شدہ روایات کے سلسلہء اسناد میں جو معروف افراد اور علماء موجود ہیں یہ خود روایات کے متن اور اس کے صحیح ہونے پر دلیل ہیں۔ خاص طور پر وہ روایت کہ جسے جوہری نے نقل کیا ہے اس میں ایسے اشخاص موجود ہیں کہ جن کے بارے میں اہل سنت مکمل اعتماد و اطمینان کا اظہار کرتے ہیں، جیسے احمد بن سیار کو ابن ابی حاتم اور دار قطنی نے قابل اعتماد کہا ہے[2]، نیز سعد بن کثیر کو ابن ابی حاتم نے صدوق (بہت زیادہ سچ بولنے والا) کہا ہے اور وہ کہتا ہے کہ وہ

[1] الکامل فی التاریخ :ج۲ص ۱۲۔
[2] تہذیب الکمال :ج ۱ص ۴۹۲.۳

دوسروں کی کتابوں سے نقل کرتا تھا[1]اور انہیں کے بارے میں ذہبی کا کہنا ہے کہ ''کان ثقۃ، اماماً، من بحور العلم[2]'' وہ ثقہ، امام اور علم کے سمندروں میں سے تھے۔ یقینی طور پر اس قسم کے برجستہ اور قابل اعتماد افراد ہر خبر کو آسانی سے نقل نہیں کرتے جسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی بھی قسم کا کوئی اعتراض ابو مخنف کی روایت کی سند پر وارد نہیں ہوتا ہے۔

دوسرا اعتراض

''سعد بن عبادہ کی تقریر کے تنہا راوی ابو مخنف ہیں'' یعنی ابو مخنف کی روایت ہی میں فقط سعد بن عبادہ کی تقریر کا ذکر آیا ہے جس میں انہوں نے انصار کو حکومت کے لئے سب سے زیادہ مستحق کہا ہے[3]۔

جواب: پہلی بات تو یہ کہ سعد بن عبادہ کی وہی تقریر مزید تین سلسلوں سے نقل ہوئی ہے اور وہ تین سلسلے جوہری، دینوری اور ابن اثیر ہیں جنہوں نے اسے ذکر کیا ہے اور اگر فرض کر بھی لیا جائے کہ سعد بن عبادہ کی تقریر کو فقط ابو مخنف نے نقل کیا اور کسی دوسرے راوی نے اسے نقل نہیں کیا تو جب بھی یہ چیز اس کی نفی پر دلیل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ عموماً وہ تمام روایات جو اہل سنت سے سقیفہ کے بارے میں نقل ہوئی ہیں نہایت ہی مختصر اور نقل بہ معنی ہیں سوائے اُس روایت کہ جو سقیفہ کے بارے میں حضرت عمر کے خطبہ پر مشتمل ہے کہ وہ ایک طویل خطبہ میں سقیفہ کے ماجرے کو بیان کرتے ہیں، حضرت عمر کا خطبہ اس لحاظ سے کہ وہ واقعہء سقیفہ کے عینی شاہد اور خلافت کے امید واروں میں سے ایک تھے خاصی اہمیت کا حامل ہے یہ خطبہ تاریخ اور احادیث کی معتبر کتابوں میں نقل ہونے کی[4] وجہ سے ایک اہم سند شمار ہوتا ہے، وہ مطالب جو حضرت عمر کے خطبہ میں بیان ہوئے ہیں اگرچہ ابو مخنف کی روایت سے تھوڑے سے مختلف ہیں لیکن مجموعی طوپر ابو مخنف کی روایت کے

[1] الجرح والتعدیل : ج۴ص۵۶۔
[2] سیره اعلام النبلاء: ج۱ ص ۴۔۵۸۳
[3] مرویات ابو مخنف فی تاریخ الطبری: ص ۱۲۲۔
[4] تاریخ طبری :ج ۲ص ۳۔۲۰۳۔۴۰۳ ،السیرة النبوة: ابن ہشام ج۴ص ۳۰۹ ،الکامل فی التاریخ : ج ۲ ص۱۱، انساب الاشراف ج۲ص ۷۶۶،۷۶۷ ، المنتظم :ج۴ص ۶۴ ، صحیح البخاری ج ۴ ص ۳۴۵(حدیث ۶۸۳۰)، مسند احمد بن حنبل: ج۱ص ۴۴۹ (حدیث ۳۹۱)

اصلی اور بنیادی مطالب کی تائید کرتے ہیں یہ بات آئندہ کی بحث میں روشن ہوجائے گی۔ اگرچہ حضرت عمر نے اپنے خطبہ میں سعد بن عبادہ کی تقریر کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے لیکن یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اس سے پہلے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر انصار کے اجتماع سے باخبر ہوتے اور سقیفہ پہنچتے سعد بن عبادہ کی مختصر سی تقریر ختم ہوچکی تھی۔ لہٰذا جب انہوں نے سعد بن عبادہ کی تقریر کو سنا ہی نہیں تو وہ اس کی طرف کیا اشارہ کرتے۔ لیکن یہ بات کہ انصار سقیفہ میں اپنے آپ کو امر حکومت کے لئے زیادہ سزاوار سمجھ رہے تھے ابو مخنف کی روایت میں سعد بن عبادہ کے قول کی روشنی میں نقل ہوئی ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس لئے کہ سقیفہ میں انصار کے خطباء کی تقاریر سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے جیسا کہ حضرت عمر نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب ہم تھوڑی دیر بیٹھے تو انصار کے خطیب نے خدا کی حمد وثناء کی اس کے بعد کہا (اما بعد نحن انصار اللہ وکتیبۃ الاسلام وانتم معشر المہاجرین رہط[1]) یعنی ہم خدا کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں جب کہ تم لوگ گروہ مہاجرین سے ہواور راندۂ درگاہ ہو، اگرچہ حضرت عمر نے اس خطیب کا نام نہیں لیا لیکن وہ خطیب حباب بن منذر انصاری تھا[2]، بہر حال انصار کے خطیب کی یہ تقریر ان کے امر خلافت میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ مستحق سمجھنے کی دلیل ہے اور اگر معترض کا کہنا یہ ہے کہ خود سعد بن عبادہ اس قسم کی کوئی فکر نہ رکھتا تھا تو یہ بات قطعی طور پر غلط ہے اس سلسلے میں ہم آئندہ مزید بحث کریں گے۔

تیسرا اعتراض

''انصار نے سقیفہ میں موجود مہاجرین کی مخالفت نہیں کی'' ابو مخنف نے انصار کے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ ''جب انہوں نے آپس میں یہ فیصلہ کرلیا کہ امر ولایت سعد بن عبادہ کے سپرد کردیا جائے تو پھر کہنے لگے کہ اگر قریش کے مہاجرین نے اسے قبول نہ کیا اوروہ کہنے لگے کہ ہم مہاجر اور رسول خداؐ کے سب سے پہلے صحابی ہیں تو سعد نے ان کی مخالفت میں یہ کہا کہ یہ تمہاری پہلی غلطی ہوگی'' یہ جملے اس بات پر دلیل ہیں کہ انصار پہلے ہی سے مہاجرین کی مخالفت کرنے کے سلسلے میں اتفاق رکھتے تھے جب کہ یہ چیز

---

[1] سقیفہ سے متعلق حضرت عمر کا خطبہ۔
[2] انساب الاشراف : ج ۲ص ۷۶۶۔

بالکل غلط ہے اسلئے کہ صحیح روایات اس چیز کو بیان کرتی ہیں کہ انصار رضی اللہ عنہم، ابتدا میں اپنے اجتہاد کے مطابق اور حکم سے ناواقفیت کی وجہ سے سعد کی بیعت کرنا چاہتے تھے یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ابو بکر نے امر ولایت کے سلسلے میں صحیح حکم ان تک پہونچادیا تو ان سب نے اسے قبول کرلیا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی[1]۔

جواب۔ یہ اعتراض دو دعوؤں پر مشتمل ہے۔ پہلے تو یہ کہ صحیح روایات اس چیز کو بیان کرتی ہیں کہ انصار ابتداء میں اپنے اجتہاد اور صحیح حکم کے نہ جاننے کی وجہ سے سعد کی بیعت کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جب حضرت ابوبکر نے صحیح حکم ان کے سامنے بیان کیا تو سب نے اسے قبول کرلیا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔

معترض کے یہ دونوں دعوے باطل ہیں ۔پہلا دعویٰ یہ کہ اس نے گذشتہ بیان کی نسبت صحیح روایات کی طرف دی ہے یہ ایک بے بنیاد بات ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے بے انتہا تحقیق اور اصل مضامیں میں نہایت تلاش و جستجو کے بعد بھی ایسی کوئی روایت نہیں پائی جو یہ بیان کرتی ہو کہ انصار حکم نہ جاننے اور اپنے اجتہاد کی روشنی میں سعد کی بیعت کرنا چاہتے تھے اور خود معترض نے جتنی بھی روایات اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں ان میں سے ایک بھی اس قسم کے مطلب کو بیان نہیں کرتی لہٰذا معترض کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایسی صورت میں صحیح روایات کے معنی کو مزید واضح طور پر بیان کرتا۔

صرف بعض روایات میں یہ ملتا ہے کہ انصار حضرت ابوبکر کی وہ تقریر سننے کے بعد جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ہم امیر ہیں اور تم وزیر ،حضرت ابو بکر کی بیعت کرنے پر راضی ہوگئے[2]۔اور اسی طرح ایک دوسری روایت میں یہ ملتاہے کہ سعد بن عبادہ نے حضرت ابو بکر کی اس بات کی تصدیق کی کہ ولایت وحکومت قریش میں ہونی چاہیے،اس روایت کے قرینوں سے یہ استفادہ ہوتاہے کہ سعد بن عبادہ نے بغیر کسی اعتراض کے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی تھی[3]لیکن اس قسم کی روایات اہل سنت کی ان روایات سے

[1] مرویات أبی مِخنف فی تاریخ الطبری :ص۱۲۲۔
[2] الطبقات الکبریٰ: ج۳ص ۱۸۲ (یہ روایت مرسلہ ہے)۔
[3] مسند احمد بن حنبل:ج۱ص ۱۹۸

تعارض رکھتی ہیں جو صحیح السند ہیں ہم اس مطلب کی وضاحت دوسرے دعوے کے جواب میں کریں گے۔ لیکن جو چیز قابل توجہ ہے وہ یہ کہ عام طور سے انصار صاحبِ نظر تھے اور پیغمبر اسلامؐ بعض جنگوں میں ان کی رائے کے مطابق عمل کیا کرتے تھے[1]حضرت ابوبکر نے بھی سقیفہ میں پیغمبر اسلامؐ کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا تھا جس میں آپؐ نے فرمایا: کہ اگر تمام لوگ ایک طرف جائیں اور انصار دوسری طرف تو میں اسی طرف جاؤں گا جس طرف انصار گئے ہیں[2]۔ ان تمام اوصاف کے ہوتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انصار نادان اور ہر چیز سے بے خبر تھے اور فقط صحیح حکم کے جاننے کی وجہ سے سعد بن عبادہ کی بیعت کرنا چاہتے تھے اور جب حضرت ابوبکر نے انہیں صحیح حکم سے آگاہ کیا تو سب نے اسے قبول کرلیا کیا یہ بات حقیقت سے دور نہیں ہے ؟کیا یہ انصار اور اصحاب رسول خداؐ کی تحقیر نہیں ہے ؟ کیا حقیقتاً انصار اس قدر جاہل اور حضرت ابوبکر کی تقریر کے دو جملوں کے محتاج تھے؟

اس کے علاوہ اگر حضرت ابوبکر کی تقریر پر غور کریں تو اس میں کوئی بات ایسی نہیں تھی کہ جس کا حکم انصار پہلے ہی سے نہ جانتے ہوں لہٰذا ضروری ہے کہ اعتراض کرنے والوں سے یہ پوچھا جائے کہ آخر حضرت ابوبکر نے انصار کو ایسا کون سا حکم سنایا تھا جو ان سے پوشیدہ تھا ؟ حضرت ابوبکر نے انصار کی فضیلت اور ان کے جہاد کا ذکر کیا تھا جس کے بارے میں وہ خود ان سے بہتر جانتے تھے، حضرت ابو بکر پیغمبر اسلامؐ کے سببی رشتے دار تھے یہ بھی سب جانتے تھے اور اس روایت کے مطابق کہ جو نقل کی گئی کہ خلافت اور خلیفہ کا تعلق قریش سے ہوگا[3] یہ بھی انصار بخوبی جانتے تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ روایت یہ بھی کہتی ہے کہ سعد بن نے یہ روایت پہلے سے سن رکھی ہے اور اس سلسلے میں حضرت ابوبکر کی تصدیق بھی کی تھی[4]،خلاصہ یہ کہ آخر وہ کیا حکم تھا جو انصار

---

[1] الطبقات الکبریٰ :ج۳ص ۵۶۷.(حباب بن منذر کی سوانح حیات میں)
[2] ’’لوسلک الناس وادیاً وسلکت الانصار وادیاً ، سلکت وادی الانصار‘‘،مسند احمد بن حنبل: ج۱ ص۱۹۸،تاریخ الطبری :ج۳ ص۲۰۳۔
[3] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری :۱۱۶۔
[4] ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کو حضرت ابوبکر اور سعد بن عبادہ نے سنا ہوگا اور دوسرے افراد اس سے بے خبر تھے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ہرگز ایسا نہ تھا ، اس لئے کہ پہلی بات تو یہ کہ اگر اس حدیث پر عمل کرنا سب پر لازم تھا تو پیغمبرؐ نے اس حکم کو سب کے لئے کیوں بیان نہ کیا ، دوسری بات یہ کہ اگر سعد بن عبادہ اس بات کو جانتے تھے تو پھر سقیفہ میں کیوں حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے؟ تیسری بات یہ کہ آخر سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر سے پہلے ہی اس حدیث کو لوگوں کے سامنے کیوں نہ بیان کیا؟مختصر یہ کہ اس قسم کا دعویٰ درحقیقت پیغمبراسلام ؐ پر اپنی رسالت کے سلسلے میں کوتاہی کرنے کی تہمت اور بعض صحابہ کی توہین ہے کہ وہ ریاست طلب تھے اور وہ بھی ان لوگوں کی طرف سے جو توہین صحابہ کو توہین پیغمبرؐ سمجھتے ہوں۔

سے پوشیدہ تھا اور حضرت ابوبکر نے اسے ان کے سامنے بیان کیا تھا؟!اور دوسرا دعویٰ کہ جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر کی تقریر کے بعد سب نے اسے قبول کرلیا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی یہ بھی مکمل بے بنیاد ہے اگرچہ اہل سنت کی بعض روایتیں اس دعوے کی تصدیق کرتی ہیں کہ تمام انصار حضرت ابوبکر کے سامنے مکمل طور سے تسلیم ہوگئے اور کہنے لگے خدا کی پناہ جوہم ابوبکرپر سبقت کریں[1] جیسا کہ وہ روایت ہے کہ جس میں سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ حاکم قریش سے ہونا چاہیے[2] اور مزید چند روایتیں کہ جن میں کہا گیا ہے کہ انصار نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی۔

لیکن ہم اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ ان دو حدیثوں میں سے ایک حدیث مرسل ہے جسے ابن تیمیہ نے مرسل حسن کہا ہے اور دوسری حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے[3] لہٰذا یہ حدیث ہرگز ایسے افراد کی طرف سے سند کے طور پر پیش نہیں کی جا سکتی جو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تاریخ میں فقط صحیح احادیث کا سہارا لیا جائے،اس کے علاوہ یہ روایتیں ان دو روایتوں سے تعارض رکھتی ہیں جو اہل سنت کے نزدیک مقبول و معروف ہیں نیز یہ اہل سنت کے عظیم مورخین کے اقوال سے بھی تعارض رکھتی ہیں جس کی چند مثالیں آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں ۔

۱۔ حضرت عمرنے اپنے مشہورمعروف خطبہ میں واقعہء سقیفہ کو اس طرح بیان کیاہے کہ جب ابوبکر کی تقریر ختم ہوگئی اور انہوں نے کہا کہ ان دو افراد (عمر یا ابو عبیدہ)میں سے کسی کی بیعت کرلو تو انصار کا ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا ''منّا امیر و منکم امیر یا معشر قریش ''اب اگر انصار سب کے سب حضرت ابوبکر کے سامنے تسلیم تھے (جیسا کہ اعتراض کرنے والے نے کہاہے)تو پھر کیا وجہ تھی کہ قریش حکومت کو قبول نہیں کررہے تھے اور چاہتے تھے کہ ان میں سے بھی ایک امیر ہو؟

[1] مسند احمد بن حنبل :ج۱ص ۲۸۲ (حدیث ۱۳۳)

[2] مسند احمد بن حنبل :ج۱ص ۱۹۸۔

[3] مرویات أبی مِخنف فی تاریخ الطبری: ص ۱۱۵،(ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کرتے ہوئے اسکی سند کے ایک راوی کو ضعیف کہا ہے)

۲۔اگر ایسا ہی تھا کہ جیسا اعتراض کرنے والا شخص کہہ رہا ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے انصار کے لئے صحیح حکم کو بیان کیا تو سب نے قبول کرلیا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی تو پھر یہ حضرت عمر اپنے خطبہ میں کیا کہہ رہے ہیں کہ جب ابوبکر کی تقریر ختم ہوگئی اور انصار کے خطیب نے اپنا الگ امیر بنانے کا اعلان کیا تو ''فکثر اللغط وارتفعت الاصوات حتی فرقت من الاختلاف'' ایک ہنگامہ اور شور وغل کا سماں تھا کہ مجھے وہاں اختلاف پیدا ہونے کا خدشہ ہوگیا،سوال یہ ہے کہ اگر سب نے قبول کرلیا تھا تو پھر یہ ہنگامہ آرائی اورشوروغل کیسا تھا کہ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں اختلاف نہ پھوٹ پڑے؟کیا اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ انصار اس حکومت کو قبول کرنا نہیں چاہتے تھے ؟یا یہ کہ خود ان کے درمیان آپس میں اختلاف تھا،بہر حال ان تمام باتوں کی روشنی میںیہ دعویٰ بالکل بے بنیاد اور کھوکھلا ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکر کی تقریر سننے کے بعد تمام انصار نے اسے قبول کرلیا تھا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی تھی!

۳۔حضرت عمر اپنے اسی خطبے کے آخر میں کہتے ہیں کہ ''خشینا ان فارقنا القوم ولم تکن بیعۃ ان یبایعوا رجلاً منھم بعدنا ''یعنی ہمیں اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس قوم سے بیعت لئے بغیر جدا ہوجائیں اور یہ اپنے ہی میں سے کسی آدمی کی بیعت کرلیں،یہ عبارت واضح طور پر انصار کی نظر اور ان کی رائے کو منعکس کررہی ہے کہ وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر کسی بھی قسم کا اعتماد نہ رکھتے تھے اس کے علاوہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تقریر کے بعد بھی وہ یہی چاہتے تھے کہ اپنے ہی افراد میں سے کسی کی بیعت کرلیں۔

۴۔ابن ابی شیبہ نے ابوسامہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر قریش کے فضائل بیان کرچکے تو اس کے بعد کہا کہ آؤ اور عمر کی بیعت کرو تو انہوں نے منع کردیا حضرت عمر نے کہا کیوں؟تو انصار نے کہا کہ انانیت وخودخواہی سے

[1] الکتاب المصنف :ج ۷ص ۴۳۳ (حدیث ۴۰، ۳۷)

ڈر لگتا ہے[1]، لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے اگر انصار حضرت ابوبکر پر مکمل اعتماد کرتے تھے تو پھر حضرت عمر کے بارے میں کیوں ''حضرت ابوبکر کی پیش کش کو رد کر دیا؟

۵۔ وہ روایت جو ''الطبقات الکبریٰ[2]'' میں ذکر ہوئی ہے ''قال : لما ابطأ الناس عن ابی بکر ،قال :من احق بھذا الأمر منّي؟ألستُ اول من صلی ؟ألست ؟قال:فذکر خصالاً فعلھا مع النبی''اور جب لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے میں سستی اور بے رغبتی کا مظاہرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ کون اس منصب کے لئے مجھ سے زیادہ سزاوار ہے کیا وہ میں نہیں ہوں کہ جس نے سب سے پہلے نماز پڑھی اور کیا میں وہ نہیں کیا میں وہ نہیں وغیرہ وغیرہ (راوی کا بیان ہے کہ)پھر وہ تمام کام جو پیغمبرؐ کے ساتھ انجام دئے تھے بیان کئے،یہ روایت بھی بخوبی انصار کی حضرت ابوبکر سے بے رغبتی پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ اپنی تعریفیں خود ہی کرنے لگے تاکہ انصار سے اپنی بات منوائی جا سکے،اگرچہ ہم ان فضیلتوں پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں اس لئے کہ یقینی طور پر حضرت ابوبکر وہ پہلے آدمی نہیں ہیں جنھوں نے نماز پڑھی ہے۔

٦۔ابن اثیر سقیفہ کے واقعات کے بارے میں لکھتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں اس بات پر راضی ہوں کہ تم عمر یا ابوعبیدہ میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو تو ایسے میں تمام یا بعض انصار نے کہا کہ ہم حضرت علیؑ کے علاوہ کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے[3]،یہ مطلب اس چیز کوثابت کرتا ہے کہ انصار حضرت علیؑ سے زیادہ کسی کو اس امر کا سزاوار نہیں سمجھتے تھے اور شیخین کی طرف کسی قسم کی کوئی خاص رغبت نہیں رکھتے تھے اور اگر شیخین بیعت کے معاملے میں جلدی نہ کرتے تو حالات کی نوعیت کچھ اور ہوتی جسکی طرف حضرت عمر نے اپنے خطبہ میں اشارہ بھی کیا ہے۔

[1] ''فقالوا: نخاف الاثرہ
[2] الطبقات الکبریٰ : ج۳ص ۱۸۲۔
[3] الکامل فی التاریخ :ج۲ص ۱۰۔ تاریخ الطبری : ج۳ص ۲۰۲

۷۔بہت سے شواہد موجود ہیں کہ سعد بن عبادہ نے کسی بھی صورت حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی، ہم اس سلسلے میں بہت جلد بحث کریں گے، لہٰذا یہ دعویٰ کہ حضرت ابوبکر کی بیعت سے کسی ایک شخص نے بھی انکار نہ کیا کم ازکم سعد بن عبادہ کے بارے میں صحیح نہیں ہے، اور اس بات سے صرف نظر کرتے ہیں کہ بہت سے افراد نے حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی تھی اور یہ کہ سعد بن عبادہ ان میں سے ایک تھا،لہٰذا وہ روایت جو اعتراض کرنے والے نے پیش کی ہے کہ سعد بن عبادہ نے حضرت ابو بکر کی اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہ ''حکومت قریش میں ہونی چاہیے''انکی بیعت کرلی تھی،مرسلہ ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقت سے بالکل دور اور محض جھوٹ ہے۔

۸۔مسعودی مختصر مگر واضح طورپر سقیفہ کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتاہے ''فکانت بینہ وبین من حضر من المھاجرین فی السقیفۃ منازعۃ طویلۃ وخطوب عظیمۃ[1]''یعنی اس کے اور سقیفہ میں حاضر بعض مہاجرین کے درمیان کافی دیر تک لڑائی جھگڑا او رتلخ کلامی ہوتی رہی۔ ان تمام دلیلوں اور شواہد کی روشنی میں اب اس بے بنیاد دعوے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ جس میں کہا گیا ہے کہ تمام انصار حضرت ابوبکر کے سامنے تسلیم ہوگئے تھے اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ کیا اعتراض کرنے والے نے ان تمام شواہد اور دلیلوں کو نہیں دیکھا ؟یا یہ کہ تعصب کی بنا پر ان حقائق سے انہوں نے اپنی آنکھیں بالکل بند کرلیں اسی لئے انہیں بالکل نظر انداز کردیا ہے!

چوتھااعتراض

''واقعہ سقیفہ کے وقت حضرت علیؑ پیغمبرؐ کے غسل میں مشغول نہ تھے''''ابو مخنف کی روایت کچھ مطالب کے بیان کرنے میں دوسرے اکثر مصادر وآخذ سے تعارض رکھتی ہے (مثال کے طور پر)ابو مخنف کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر کو (انصار کے سقیفہ میں جمع ہونے کی)خبر ملی تو وہ سیدھے وہاں سے پیغمبر اسلامؐ کے گھر گئے جہاں حضرت ابوبکر موجود تھے اور حضرت علیؑ مکمل توجہ کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کی تجہیزوتکفین میں مصروف تھے یہ خبر اس خبر صحیح سے تعارض رکھتی ہے جو یہ بیان کرتی ہے کہ

[1] التنبیہ والاشراف :ص ۲۴۷

پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین منگل کے دن شروع ہوئی جب کہ واقعہ سقیفہ پیر کے دن رونما ہوا۔اور اسی طرح مالک او ردوسرے افراد سے جو روایت نقل ہوئی ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ کے گھرگوشہ نشینی اختیار کرلی تھی نیز ابن اسحاق کاکہنا ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہوگئی تو لوگ نبیؐ کی تجہیزوتکفین کے لئے آئے اور اسی بات کو طبری نے ذکر کیا ہے اوراین کثیر نے پانچ مقام پر یہ کہا ہے اور ابن اثیر نے بھی اسی کو نقل کیا ہے[1]۔''

جواب۔یہ اعتراض،جو ایک خاص اور اصلی نکتہ کی طرف اشارہ کرتاہے وہ یہ کہ حضرت علیؑ پیر کے دن جس دن واقعہ ء سقیفہ پیش آیا پیغمبراسلاؐم کے غسل وکفن میں مصروف نہ تھے ،اس لئے کہ پہلی بات تو یہ کہ صحیح روایات کا کہنا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی تجہیز وتکفین منگل کے دن شروع ہوئی اور دوسری روایات یہ بتاتی ہیں کہ حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کے گھر میں گوشہ نشین تھے ۔

در حقیقت یہ اعتراض بالکل بے بنیاداور حقیقت سے بہت دورہے اور اس کی دونوں دلیلیں باطل ہیں اس سے پہلے کہ ہم اس اعتراض کی دونوں دلیلوں کے بارے میں بحث کریں اس نکتہ کی طرف اشارہ کرناضروری سمجھتے ہیں کہ اگر پیغمبر اسلاکی تجہیز وتکفین سے مراد ان کا غسل وکفن ہے تویقینی طور پراس کام کوحضرت علیؑ ہی نے انجام دیا تھاجس میں جناب عباس بن عبدالمطلب ، فضل بن عباس اور چند خاص افراد نے آپ کی مدد کی تھی،اگرچہ یہ بات اتنی واضح ہے کہ جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں لیکن نمونہ کے طور پر چند مقام کو بیان کرتے ہیں ۔ ا۔ابن ہشام نے ''السیرۃ النبویہ[2]''میں واضح طور پر کہا ہے کہ پیغمبرؐاسلام کو حضرت علیؑ نے غسل دیا۔

٢۔بلاذری نے ''انساب الاشراف[3]''میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں اور تمام روایتیں اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ حضرت علیؑ نے ہی پیغمبرؐ کو غسل دیاتھا اور اسی طرح ایک روایت (جو ابو مخنف کی روایت کی تائید کرتی ہے)وہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

---

[1] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری: ص١٢٢۔
[2] السیرۃ النبویہ : ج۴ص ٣١٢
[3] انساب الاشراف:ج٢ص ٧۴٧،٧۴٨،٧۵٢،٧۶۴

جب علی ابن ابی طالبؑ اور عباس، پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین میں مشغول تھے تو دو آدمی آئے اور حضرت ابوبکر کو سقیفہ کی کاروائی کی اطلاع دی[1]۔

۳۔ابن جوزی نے ''المنتظم[2]''میں پیغمبر اسلامؐ کے غسل کے جزئیات کو مکل تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جسے حضرت علیؑ نے انجام دیا تھا۔

۴۔یعقوبی[3] نے بھی عتبہ بن ابی لھب کا حضرت علیؑ کے بارے میں یہ شعر نقل کیا ہے ''ومن لہ جبرئیل عون لہ فی الغسل والکفن ''یعنی حضرت علیؑ وہ ہیں کہ پیغمبرؐ کے غسل وکفن میں جبرئیل ان کے مدد گار تھے۔

۵۔ابن اثیر نے بھی پیغمبرؐ کے غسل دینے والوں میں حضرت علیؑ،عباس ،فضل ،قثم، اسامہ بن زید اور شقران کا نام لیا ہے[4]۔ لہٰذا اس بات میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت علیؑ نے ہی خاص افراد کے ساتھ مل کر پیغمبرؐ کو غسل دیا تھا۔ لہٰذا یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ خود معترض اور ہر وہ محقق جو تاریخ کے بارے میں ذرا بھی معلومات رکھتا ہووہ اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا،اب اس نکتہ کی طرف توجہ کے بعد اعتراض کرنے والے کی دونوں دلیلوں کے بارے میں بحث و تبصرہ کرتے ہوئے ان کا حال معلوم کرتے ہیں۔

پہلی دلیل:اعتراض کرنے والے کا کہنا ہے کہ صحیح روایات کے مطابق پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین منگل کے دن شروع ہوئی،لہٰذا ابو مخنف کی روایت میں جو یہ بات موجود ہے کہ سقیفہ کے دن جو پیر کا دن تھا حضرت علیؑ پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین میں مشغول تھے یہ بہت سی روایات سے تعارض رکھنے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے۔لیکن جب ہم نے معترض کے کلام کے ثبوت میں حاشیے پر دئے گئے انکے حوالوں کے مطابق سیرہ ابن ہشام کی طرف رجوع کیا تو وہاں اس قسم کی کوئی روایت موجود نہ تھی کہ جو یہ بیان کررہی ہو کہ

---

[1] انساب الاشراف:ج۲ص۷۶۲

[2] ج ۴ص ۴۴، ۴۵،۲۹

[3] تاریخ یعقوبی :ج۲ص ۱۲۴

[4] الکامل فی التاریخ :ج۲ص ۱۵۔

پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین منگل کے دن شروع ہوئی بلکہ ابن ہشام نے ایک جگہ یہ کہا ہے[1]کہ ''لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کے بعد منگل کے دن رسول خداؐ کی تجہیز وتدفین کے لئے گئے'' یہ وہی مضمون ہے کہ جسے معترض نے ابن اسحاق سے بھی نقل کیا ہے جس کی عربی عبارت یہ ہے۔ ''لما بویع ابوبکر اقبل الناس علی جهاز رسول اللّٰہ یوالثلاثا' طبری اور دوسرے افراد نے بھی اسی قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔ یہ جملہ معترض کے دعوے کے برعکس یہ بیان کرتا ہے کہ لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کے بعد منگل کے دن تجہیز پیغمبرؐ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے لئے پہنچے اور اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے

کہ پہنچنے کے بعد انہوں نے کیا کیا، جو شخص کچھ بھی سمجھدار ہوگا وہ بآسانی جان لے گا کہ معترض کے جملے ''پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین منگل کے دن شروع ہوئی'' اور ابن اسحاق ،ابن ہشام اور دوسرے افراد کے اس جملے میں'' لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کے بعد منگل کے دن پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین کے لئے پہنچے '' میں کس قدر فرق ہے اور یہ نہات افسوس کی بات ہے !(کہ مطلب کو موڑ توڑ کے پیش کیاگیا)اب روایت کے مضمون کی روشنی میں یہ بیان کرتے ہیں کہ روایت جو چیز بیان کرتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کے بعد منگل کے دن پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین کے لئے پہنچے ۔

لیکن اس چیز کو بیان نہیں کرتی کہ لوگ کس حدتک تجہیز وتکفین میں حصہ لے سکے، اب جبکہ یہ بات روشن ہے کہ پیغمبرؐ کو حضرت علیؑ نے غسل دیا تھا تو اس سے کہا ں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت علیؑ نے پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین میں کوتاہی سے کام لیا اور اسے بعد کے لئے ٹال دیا ؟!اور یہ کہ لوگوں کا منگل کے دن پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین کی طرف متوجہ ہونا کس طرح اس بات پر دلیل بن سکتا ہے کہ حضرت علیؑ پیر کے دن پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین سے فارغ نہیں ہوئے تھے۔اس کے علاوہ اگر دوسرے افراد پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین سے زیادہ اہم کام میں مصروف تھے یعنی وہ سقیفہ میں حکومت کے لئے ایک دوسرے سے زور آزمائی کررہے تھے تو حضرت علیؑ کسی بھی کام کو پیغمبر اسلامؐ کی تجہیز وتکفین پر ترجیح نہیں دے رہے تھے، پھر آخر کس وجہ سے وہ اس کام میں تاخیر

[1] السقیفه وفدک :ص ۶۱۵، شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید:ج۶ص ۱۳، الامامة والسیاسة: ص ۳۰.

کرتے؟!اور یہ ایسی چیز ہے کہ جسے بعض روایات سے بآسانی سمجھا جاسکتاہے کہ جب بعض انصار نے حضرت علیؑ سے کہا کہ اگر آپ ابوبکر سے پہلے بیعت کا مطالبہ کرتے تو کوئی بھی شخص آپ کے بارے میں اختلاف نہ کرتا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں حکومت حاصل کرنے کے لئے پیغمبرؐ کے جنازے کو اسی حالت میں چھوڑدیتا ؟!اور جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر اور ان کے دوست واحباب حضرت علیؑ سے بیعت طلب کرنے کے لئے جناب فاطمہؑ کے دروازے پر آئے تو انہوں نے دروازہ کے پیچھے سے حضرت عمر کو خطاب کرتے ہوئے کہا '' :ترکتم رسول اللہ جنازۃ بین ایدینا و قطعتم امرکم بینکم[1] ''یعنی رسولؐ خدا کے جنازے کو ہمارے سامنے چھوڑ کر تم نے اپنا کام کر دکھایا،یہاں ہم اس بات سے صرف نظر کرتے ہیں کہ اس وقت خاندان رسالت پر کیا گذر رہی تھی۔

بعض مورخین کی عبارتیں بھی اسی امر کی تائید کرتی ہیں جیسا کہ معودی اس بارے میں کہتا ہے کہ '' جب بعض افراد سقیفہ میں نزاع میں مشغول تھے تو حضرت علیؑ ، عباس اوربعض دوسرے مہاجرین پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین کررہے تھے[2]''،نیز ابن ہشام کا کہنا ہے ''جب حضرت ابوبکر کو سقیفہ کی کارروائی کی اطلاع دی تو اس وقت تک پیغمبر اسلامکی تجہیز مکمل نہ ہوئی تھی ''،اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ تجہیز شروع تو ہو چکی تھی مگر مکمل نہ ہوئی تھی[3]یہ بیان ابن ہشام کی ایک نقل کی بنا پر تھا جبکہ وہ دوسری جگہ کہتا ہے '' فلما فرغ من جھاز رسول اللہ یوم الثلاثاء[4] ''یعنی جب منگل کے دن پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین مکمل ہوئی ۔یہ عبارت بھی اعتراض کرنے والے کے دعوے کے مضمون سے مطابقت نہیں رکھتی اس لئے کہ اس عبارت میں کہا گیا ہے کہ پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین منگل کے دن مکمل ہوئی جب کہ معترض کا کہنا تھا کہ پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین منگل کے دن شروع ہوئی،ان دو عبارتوں کا فرق واضح ہے اور نہ فقط یہ کہ ایک معنی میں نہیں بلکہ ممکن ہے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے معارض بھی ہوں اور عجیب بات یہ ہے کہ اعتراض کرنے

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ :ص ۳۰۔
[2] التنبیہ والاشراف:ص۲۴۷۔
[3] السیرۃ النبویہ :ج۴ص ۳۰۷۔
[4] السیرۃ النبویہ :ج ۴ص ۳۱۴۔

والے نے ایسا مکمل واضح اور روشن بیان ہونے کے باوجود ابن ہشام کی اسی عبارت کا حوالہ دیا ہے جبکہ اگر پہلی عبارت کا حوالہ دیتا تو شاید کچھ بات بھی بنتی۔ان تمام باتوں کے علاوہ ابن اسحاق اور ابن ہشام کی عبارتیں بنیادی طور پر آپس میں ایک دوسرے سے معارض ہیں اور وہ روایات یہ ہیں جو یہ بیان کرتی ہیں کہ ''پیغمبرؐ اسی دن عصر کے وقت یا منگل کی شب کو دفن ہوئے '' اگر ان روایات کو قبول کرلیا جائے تو پھر ابن ہشام کی یہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ ''پیغمبرؐ کی تجہیز وتکفین منگل کے دن مکمل ہوئی'' شاہد او رسند کے طور پر پیش نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ پیغمبرؐ اس سے پہلے دفن ہوچکے تھے۔

البتہ یہ کہ پیغمبرؐ کس دن دفن ہوئے اس بارے میں روایات اور اقوال بہت ہی زیادہ مختلف ہیں جس کی وجہ سے یقینی طور پر کسی نتیجہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے البتہ بعض قرائن اور شواہد کی بناء پر بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی جاسکتی ہے،شیخ مفید نے پیغمبر اسلامؐ کے دفن ہونے کا وقت وہی پیر کا دن بیان کیا ہے[1]بعض روایات میں پیغمبرؐ کی تدفین کا دن منگل کہا گیا ہے جیسے جناب عائشہ کی روایت ، وہ کہتی ہیں کہ '' ہم رسولؐ کے دفن سے اس وقت آگاہ ہوئے جب منگل کی رات ،وقت سحر بیلچوں کی آوازیں سنیں[2]''،بعض دیگر افراد نے بھی پیغمبرؐ کی تدفین کا دن منگل ہی بتایا ہے ، جیسے کہ ابن اثیر[3] نے اور بعض نے بدھ کے دن کو بھی پیغمبرؐ کی تدفین کا دن کہا ہے[4]۔

ہماری نگاہ میں یہ قول کہ پیغمبر اسلامؐ اسی پیر کے روزیا منگل کی شب کو دفن ہوئے دوسرے اقوال پر زیادہ ترجیح رکھتا ہے اسلئے کہ پیغمبر اسلامؐ نے پیر کے روز میں وفات پائی[5] اور حضرت علیؑ نے بغیر کسی تاخیر کے اپنے احباب کے ساتھ مل کر آپ کو غسل وکفن

---

[1] الارشاد :ج۱ص ۱۸۹ " وکان ذلک فی یوم الاثنین'' اور اس کے ذیل میں فرماتے ہیں ''جب حضرت ابو بکر کی بیعت ہوچکی تو ایک شخص امیرالمومنین ؑ کے پاس آیا اس وقت آپ پیغمبر اسلامؐ کی قبر بنانے میں مصروف تھے،اس نے امیرالمومنینؑ سے کہا کہ لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کی ہے''

[2] المنتظم :ج ۴ص ۴۹؛ الطبقات الکبریٰ :ج۲ص ۳۰۵(البتہ جناب عائشہ سے ایک اور روایت بھی نقل ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آپ کی تدفین شب بدھ کوہوئی)

[3] الکامل فی التاریخ :ج۲ص۱۵۔

[4] السیرة النبویہ : ابن ہشام ج۴ص ۳۱۴۔

[5] جیسا کہ ابومخنف کی روایت میں تھا اور ہم نے اسے حصہ سوم میں ثابت بھی کیا تھا۔

دیا ، اسکے بعد آپ نے انفرادی طور پر آنحضرتؐ کی نماز جنازہ ادا کی[1] حضرت علیؑ کے بعد آپکے تمام دوست احباب اور اصحاب سب ہی نے ایک ایک کرکے نماز جنازہ پڑھی[2] پھر حضرت علیؑ نے ان ہی افراد کی مدد سے پیغمبرؐ کے جسم اقدس کو سپرد خاک کردیا[3] اور تدفین کے بعد جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور خلافت کے غصب ہوجانے پر احتجاجاً گوشہ نشین ہوگئے اور پھر گھر سے باہر نہ آئے[4] اسکے بعد انصار اور مہاجرین میں سے بھی بعض صحابہ سقیفہ کی کارروائی پر اعتراض کے سلسلے میں جناب فاطمہؑ کے میں گوشہ نشین ہوگئے[5]، منگل کے دن حضرت ابوبکر کی عام بیعت کے[6] بعد حضرت ابوبکر کے فرمان کے مطابق حضرت عمر چند سپاہیوں کے ہمراہ جناب فاطمہؑ کے دروازے پر آئے[7] تاکہ جسطرح بھی ممکن ہو سکے ان افراد سے حضرت ابوبکر کی بیعت لی جا سکے جناب فاطمہؑ کے گھر میں گوشہ نشین ہیں[8]۔

جو بات مسلم ہے وہ یہ کہ حضرت علیؑ اور بنی ہاشم نیز پیغمبر اسلامؐ کے بعض صحابہ نے حضرت علیؑ کی اتباع کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کردیا[9] لیکن حضرت عمر نے دھمکی دی کہ اگر بیعت نہ کی تو گھر کو آگ لگادی جائے گی[10] ایسے میں بعض نے حضرت عمر سے کہا کہ اس گھر میں تو جناب فاطمہؑ ہیں، حضرت عمر نے کہا کہ چاہے جناب فاطمہؑ ہی کیوں نہ ہوں[11]، بعض تاریخی کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ حضرت عمر کی دھمکی کے بعد جناب فاطمہؑ نے گھر میں موجود افراد کو حضرت عمر کی دھمکی سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں اس بات پر راضی کیا کہ وہ گھر سے باہر چلے جائیں، لہٰذا انہوں نے ایسا ہی کیا اور جاکر حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی[12]

---

[1] الارشاد : ج۱ص ۱۸۷۔ انساب الاشراف :ج۲ص ۷۵۵۔ الطبقات الکبریٰ: ج۲ص ۹،۲۸۸۔
[2] الارشاد : ج۱ص ۱۸۷۔
[3] المنتظم :ج ۴ص ۴۹،انساب الاشراف: ج۲ص ۷۵۷، تاریخ الطبری: ج۳ ص ۲۱۳(ابن اسحاق کی نقل کے مطابق)
[4] انساب الاشراف :ج۲ص ۷۶۹ (أبی نضرہ سے)
[5] تاریخ یعقوبی :ج۲ص ۱۲۴۔
[6] تاریخ خلیفہ بن خیاط:ص ۶۲۔ مروج الذھب :ج ۲ص ۳۰۱۔ المنتظم :ج۴ص ۶۴ نقل از ابن اسحاق۔
[7] السقیفہ وفدک :ص ۵۰،۶۰۔
[8] انساب الاشراف :ج ۲ص ۷۶۹،۷۷۰۔تاریخ یعقوبی :ج۲ص ۱۲۶۔ السقیفہ وفدک :ص۶۰
[9] تاریخ یعقوبی :ج ۲ص۱۲۴۔مروج الذھب :ج ۲ص ۳۰۱۔ الکامل فی التاریخ :ج۲ص ۱۴ نقل اززھری۔
[10] انساب الاشراف :ج ۲ص ۷۷۰۔الامامۃ والسیاسۃ :ص ۳۰۔ تاریخ الطبری :ج۳ص ۲۰۲۔
[11] الامامۃ والسیاسۃ :ص ۳۰۔
[12] السقیفہ وفدک: ص ۳۸۔

لیکن اس بات کے پیش نظر کہ گوشہ نشین افراد کی اکثریت بنی ہاشم پر مشتمل تھی اور بنی ہاشم نے اس وقت تک بیعت نہ کی[1] جب تک کہ حضرت علیؑ نے بیعت نہ کی اور اکثر مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ نے جب تک حضرت فاطمہؑ زندہ رہیں بیعت نہ کی[2] لہٰذا یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ حضرت عمر نے اپنی دھمکی کو عملی کر دکھایا[3] اور حضرت علیؑ کو زبردستی مسجد تک کھینچتے ہوئے لائے اور دھمکی دی کہ اگر بیعت نہ کی تو انہیں قتل کردیا جائے گا[4] لیکن جناب فاطمہؑ کی طرف سے حضرت علیؑ کی زبردست حمایت کی وجہ سے حضرت ابو بکر ،حضرت علیؑ کو مجبور نہ کر سکے[5] حضرت علیؑ جب وہاں سے باہر آئے تو سیدھے پیغمبر اسلامؐ کی قبر پر گئے[6]۔ اس واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تاریخ کی کتابوں نے دقیق طور پر اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ یہ واقعہ کس دن پیش آیا اور معمولاً اسے سقیفہ کے بعد ذکر کیا ہے،اب اگر یہ تمام واقعات منگل کے دن ہوئے ہیں اور حضرت علیؑ مسجد سے باہر آنے کے بعد سیدھے پیغمبرؐ کی قبر پر گئے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پیغمبرؐ یقینی طور پر منگل سے پہلے دفن ہو چکے تھے.

تو اب شیخ مفید کے بقول یا توآپؐ اسی روزیعنی پیر کے دن دفن ہوئے یا پھر جناب عائشہ کی روایت کے بقول آپؐ منگل کے دن دفن ہوئے البتہ یعقوبی[7] کے کہنے کے مطابق آپؐ کی وفات (نومبر یا دسمبر)میں ہوئی اور اس زمانے میں دن چھوٹے ہوتے ہیں اور پیغمبرؐ کی وفات وسط روز میں ہوئی ہے تو منگل کی شب دفن ہونے والا قول زیادہ قوی محسوس ہوتا ہے بہر حال دونوں اقوال میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

پہلے اعتراض کے جواب میں اس وضاحت کے بعداس اعتراض کا جواب بھی روشن ہوجاتا ہے کہ ''جناب علیؑ جناب فاطمہؑ کے گھر میں گوشہ نشین تھے''اس لئے کہ ہم نے یہ ثابت کردیا کہ حضرت علیؑ تجہیز وتکفین کے بعد جناب فاطمہؑ کے گھر گوشہ نشین ہوئے

---

[1] مروج الذهب :ج ۲ص ۳۰۱ ـ الکامل فی التاریخ :ج۲ص ۱۴ نقل اززهری.

[2] انساب الاشراف :ج ۲ص ۷۷۰مدائنی نے جناب عائشہ سے نقل کیا ہے ۔ مروج الذهب :ج۲ص ۳۰۱ ،۳۰۲۔ الکامل فی التاریخ : ج ۲ص۱۰اور ۱۴۔

[3] اس احتمال کی تائید میں بہت سی روایات بھی موجود ہیں جس کے لئے کتاب '' مأساة الزہرا '' علامہ جعفر مرتضیٰ عاملی کی طرف رجوع کیا جاسکتاہے ۔

[4] الامامۃ والسیاسۃ:ص ۳۰

[5] الامامۃ والسیاسۃ:ص ۳۱

[6] الامامۃ والسیاسۃ:ص ۳۱

[7] تاریخ یعقوبی :ج۲ص ۱۱۳

تھے اور آپ نے پیغمبر اسلامؐ کے غسل وکفن اوردفن میں کسی بھی قسم کی تاخیر اور کوتاہی نہیں کی تھی اور اس سلسلے میں ہم نے بہت سے شواہد آپ کے سامنے پیش کردئے۔اب ہم اعتراض کرنے والوں سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ حضرت علیؑ پیغمبرؐ کے غسل وکفن اوردفن سے پہلے ہی جناب فاطمہؑ کے گھر میں گوشہ نشین ہوگئے تھے،اب چاہے وہ کسی بھی وجہ سے ہو،چاہے حضرت ابوبکر کی بیعت پر اعتراض کے سلسلے میں یا بعض روایات[1] کے مطابق قرآن کی جمع آوری کے سلسلے میں تو پھر ایسے میں پیغمبرؐ کو کس نے غسل دیا؟!جو چیز مسلم وثابت ہے وہ یہ کہ پیغمبر اسلامؐ کو حضرت علیؑ نے غسل وکفن دیااور دفن کیا اب اگر پیغمبرؐ کے غسل سے پہلے ہی آپ حضرت ابوبکر کی بیعت پر اعتراض کی وجہ سے جناب فاطمہؑ کے گھرگوشہ نشین تھے تومشہور یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ کی وفات تک آپ نے حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی تو ذرا سوچئے کہ اس وقت تک پیغمبرؐ کے جنازہ پر کیا گذری ہوگی؟کیا اس وقت تک غسل وکفن اور دفن انجام نہ پایا تھا اور اگر یہ سب کام ہوچکا تھا تو پھراسے کس نے انجام دیا تھا؟

پانچواں اعتراض

''ابو مخنف نے بعض افراد کے نام ذکر کئے ہیں جو دوسرے راویوں نے بیان نہیں کئے ہیں''ابو مخنف نے اپنی روایات میں بعض ایسے افراد کے نام ذکر کئے ہیں جنکا نام دوسرے راویوں نے ذکر نہیں کیا جیسا کہ انہوں نے ان دو آدمیوں میں سے جنھوں نے راستے میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے ملاقات کی ایک کا نام عاصم بن عدی بتایا ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ ان میں سے ایک کانام ''معن بن عدی'' تھا (نہ عاصم بن عدی[2]) ۔

جواب۔جیسا کہ ابومخنف نے اپنی روایت اور حضرت عمر نے اپنے خطبہ میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب

[1] انساب الاشراف : ج۲ص ۷۷۰۔ السقیفہ وفدک : ص ۶۴۔
[2] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری: ص ۱۲۳۔

حضرت ابوبکر ، حضرت عمر اورابو عبیدہ جراح سقیفہ جارہے تھے تو دو آدمیوں سے ان کی ملاقات ہوئی جنہوں نے ان حضرات کو سقیفہ میں جانے سے روکا مگر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ابوعبیدہ ان دونوں کی باتوں کی پروا کئے بغیر سقیفہ روانہ ہوگئے۔ اب وہ دو آدمی کون تھے ؟حضرت عمر نے اپنے خطبہ [1]میں ان دونوں کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ فقط اتنا کہا ہے کہ راستے میں دونیک وصالح افراد سے ملاقات ہوئی جبکہ ابو مخنف کی روایت میں ان دو افراد کے نام ذکر کئے گئے ہیں کہ ان میں سے ایک ''عویم بن ساعدہ ''اور دوسرا شخص ''عاصم بن عدی '' تھا ۔ مأخذ ومنابع میں تحقیق اور جستجو کے بعد یہ پتہ چلا کہ ان دو آدمیوں میں سے ایک شخص یقینی طور پر ''عویم بن ساعدہ'' تھا جب کہ دوسرے شخص کو معمولاً ''معن بن عدی'' کہا گیا ہے اور فقط ابو مخنف نے اس کا نام ''عاصم بن عدی'' بتایا ہے ۔

لہٰذا اس اعتبار سے ابومخنف کی روایت باقی راویوں کی روایت سے تعارض رکھتی ہے، اورکیونکہ اکثر تاریخ اور احادیث کی کتابوں نے اس کا نام ''معن بن عدی'' بتایا ہے اس لئے یہ قول ترجیح رکھتاہے لہٰذا یہ اعتراض اس اعتبار سے بجا ہے لیکن بعض روایات میں یہ بات ذکر ہے کہ سقیفہ میں انصار کے اجتماع کی خبر جس شخص نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو دی وہ معن بن عدی تھے [2]۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص پہلے ہی سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے مل کر انہیں سقیفہ کے اجتماع سے آگاہ کرچکا تھا ، لہٰذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص ان سے دوبارہ ملاہواور انہیں وہاں جانے سے روکا ہو؟!اس بیان کے پیش نظر ابو مخنف کے کلام کو قابل قبول تصور کیا جاسکتاہے کہ وہ دو آدمی ایک عویم بن ساعدہ اور دوسرا عاصم بن عدی تھانہ معن بن عدی اس لئے کہ معن بن عدی پہلے ہی ان کے پاس آچکا تھا (واللہ العالم!)

[1] صحیح بخاری کے نقل کے مطابق۔
[2] السقیفہ وفدک :ص۵۵، انساب الاشراف:ج۲ص ۷۶۴،تاریخ طبری:ج۳ص ۲۰۳میں ہے کہ خبر لانے والا ایک شخص تھا۔

چھٹا اعتراض

''سقیفہ میں حضرت ابو بکر کی تقریر کے تنہا راوی ابو مخنف ہیں'' ''ابو مخنف کی روایت میں حضرت ابو بکر کا سقیفہ میں جو خطبہ نقل ہوا ہے وہ دوسری کسی بھی جگہ لفظی یا معنوی اعتبار سے نقل نہیں ہوا ہے[۱]''۔

جواب۔یہ بات تو کسی بھی صورت قابل تردید نہیں کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں مفصل خطبہ ضرور دیا ہے اس لئے کہ حضرت عمر کا کہنا ہے کہ میں نے پہلے ہی سے کچھ مطالب بیان کرنے کے لئے اپنے ذہن کو تیار کر رکھا تھا لیکن ابوبکر نے مجھ سے پہلے ہی خطبہ دے دیا اور مجھ سے بھی زیادہ کامل تر خطبہ دیا[۲]۔اور اسی طرح روایت احمد میں جو حمید بن عبدالرحمن سے نقل ہوئی ہے کہا گیا ہے کہ ''فتکلم ابوبکر ولم یترک شیأ انزل فی الانصار ولاذکرہ رسول اللہ من شأنھم الآ وذکرہ[۳]''یعنی حضرت ابوبکر نے اپنی تقریر شروع کی تو جو کچھ انصار کے بارے میں قرآن میں آیا تھا اور جو کچھ رسولؐ نے فرمایا تھا سب کچھ کہہ ڈالا اور کوئی چیز بھی باقی نہ چھوڑی اور نیز ابن ابی شیبہ ابو اسامہ سے روایت نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے انصار سے اس طرح خطاب کیا اے گروہ انصار ہم آپ لوگوں کے حق کے منکر نہیں ہیں[۴]یہ تمام موارد سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی مفصل تقریر پر دلالت کرتے ہیں۔

لیکن روایات نے حضرت ابوبکر کی تقریر کو معنوی اعتبار سے نقل کیا اور ان کی تقریر کے کچھ ہی مطالب کے بیان پر اکتفا کی ہے لیکن ابو مخنف کی روایت نے باریک بینی اور تفصیل کے ساتھ حضرت ابوبکر کی تقریر کو بیان کیا ہے لہٰذا یقینی طور پر تاریخی اعتبار سے ابو مخنف کی روایت کافی اہمیت کی حامل ہے اس لئے کہ اس میں ایک واقعہ کے ان تمام پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے جو اس میں پیش آئے تھے اس بنا پر ابو مخنف کی روایت کا اُن تمام روایات سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا جو نقل بہ معنی ہیں،اس کے علاوہ یہ کہ وہی خطبہ جو ابو مخنف نے سقیفہ کے بارے میں نقل کیا ہے تاریخ کی دوسری کتابوں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے جیسے الامامۃ والسیاسۃ[۵]،الکامل فی

---

[۱] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری: ص ۱۲۳۔
[۲] خلافت کے بارے میں حضرت عمر کا خطبہ۔
[۳] مسند احمد بن حنبل :ج۱ص ۱۹۸
[۴] کتاب المصنف : ج۷ص ۴۳۳ (حدیث ۳۷،۴۰)
[۵] الامامۃ والسیاسۃ: ص ۲۳،۲۴،

التاریخ ابن اثیر[1]،السقیفہ وفدک جوہری[2] ان تمام نے اسے مختلف اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے لہٰذا یہ دعویٰ کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی تقریر کے تنہا راوی ابو مخنف ہیں یہ بے بنیاد اور باطل ہے۔

ساتواں اعتراض

''پیغمبر اسلامؐ کی ازواج سے متعلق''،ابو مخنف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں انصار سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ''وفیکم جُلۃازواجہ''،یعنی پیغمبر اسلامؐ کی اہم ازواج تم میں موجود ہیں حضرت ابوبکر کی طرف اس قسم کے بیان کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے،اس لئے کہ پیغمبرؐ کی تمام ازواج قریش سے تھیں اور کوئی بھی معتبر سند اس چیز کو بیان نہیں کرتی کہ پیغمبرؐ کی کسی بیوی کا تعلق انصار سے رہا ہو[3]۔

جواب۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ بات قابل تردید نہیں کہ پیغمبرؐ کی تمام ازواج کا تعلق قریش سے تھا اور انصار سے نہ تھا لیکن اس جملے کے معنی ہرگز وہ نہیں جو اعتراض کرنے والے سمجھے ہیں اور معترض کے عرب ہونے کی بنا پر یہ بات نہایت باعث تعجب اورقابل افسوس ہے کیونکہ اس جملہ کا متن یہ ہے ''وجعل الیکم ہجرتہ وفیکم جُلۃازواجہ واصحابہ''اب اگر لفظ جلہ کو جیم پر پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو اس جملے کے معنی اس طرح ہوں گے ''خدا نے پیغمبرؐ کی ہجرت کو آپ لوگوں کی طرف قرار دیا اور آپ لوگوں کے درمیان اور آپ ہی کے معاشرے (مدینہ)میں پیغمبرؐ کی اکثرازواج مطہرہ اور ان کے اصحاب موجود ہیں''۔اور اگر جلہ کی جیم پر زیر دے کر پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے، ''اس نے پیغمبرؐ کی ہجرت کو آپ لوگوں کی طرف قرار دیا اور آپ کے معاشرے (مدینہ)میں رسول خداؐ کی ازواج اور گرانقدر اصحاب موجود ہیں''۔بہرحال ''جلہ''کو کسی بھی طرح پڑھا جائے اسکے معنی میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہوگا اس لئے کہ بنیادی نکتہ لفظ ''فیکم''کے معنی میں موجود ہے کہ جس کے معنی ''آپ لوگوں کے درمیان میں ہیں''اور

[1] الکامل فی التاریخ :ج۲ ص ۱۳
[2] السقیفہ وفدک :ص۵۶،۵۷۔
[3] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری :ص۱۲۴۔

ہرگز اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ تم میں سے ہیں اس لئے کہ اس قسم کے معنی کے لئے کلمہ منکم سے استفادہ کیا جاتاہے، لہٰذا یوں کہا جاتا ''ومنکم جلۃازواجہ واصحابہ''، لیکن جو چیز متن روایت میں ذکر ہے وہ یہ ہے ''وفیکم جُلۃازواجہ واصحابہ''لہٰذا معترض کے لئے ضروری ہے کہ ایک بار پھر اچھی طرح عربی کے قواعد کو سیکھے تاکہ انہیں فیکم اور منکم کے فرق کا پتہ چل جائے۔ دوسری بات یہ کہ ''الامامۃ والسیاسۃ''، نیز ''السقیفہ وفدک'' جوہری میں یہ روایت ابو مخنف کی روایت کے الفاظ کے عین مطابق نقل ہوئی ہے اس میںیہ جملہ ''وفیکم جلۃازواجہ واصحابہ'' موجود نہیں ہے اور کتاب الکامل ابن اثیر[1] میں اس جملہ کو بریکٹ میں قرار دیا گیاہے، اور اس کے بعد حاشیہ میں یہ اشارہ کیا گیاہے کہ یہ جملہ ابو مخنف کی روایت میں موجودنہیں ہے اور طبری نے سیاق جملہ کے پیش نظر اس کا اضافہ کیا ہے بس اگر ایسا ہے تو یہ اعتراض بنیادی طور پر ہی مخدوش ہے اس لئے کہ یہ عبارت ابو مخنف کی نہیں ہے اور اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو طبری پر ہے نہ کہ ابو مخنف پر۔

آٹھواں اعتراض

''حباب بن منذر اور حضرت عمر کے درمیان نزاع سے انکار''، ''ابو مخنف کی روایت کے علاوہ کسی دوسری روایات میں یہ بات نہیں ملتی کہ حباب بن منذر اور حضرت عمر کے درمیان کافی دیر تک تلخ کلامی اور نزاع ہوا ہو جبکہ جو چیز روایات میں بیان ہوئی ہے وہ اس کے برعکس ہے جیسا کہ احمد کی روایت میں ذکر ہواہے کہ تمام انصار نے کہا کہ ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں کہ اس امر میں ابوبکر سے پیش قدمی کریں[2]''۔

جواب۔ حقیقت یہ ہے کہ حباب بن منذر اور حضرت عمر کے درمیان گفتگو بہت سی تاریخی کتابوں میں ذکر کی گئی ہے، لہٰذا بنیادی طور یہ بات غیر قابل انکار ہے اور اسی طرح یہ بات بھی یقینی ہے کہ ''انا جُذَیلھا المحکّک وعُذَیقھا المرجّب منّا امیر ومنکم امیر یا معشر قریش''، یہ جملہ کہنے والا شخص حباب بن منذر ہے، رہی یہ بات کہ ان دونوں کے درمیان کوئی نزاع بھی ہوا تھا یا بقول معترض کہ انصار

[1] الکامل فی التاریخ :ج۲ص ۱۳۔
[2] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری: ص۱۲۴۔

کے قبول کر لینے کے ساتھ ساتھ تمام چیزیں بخوبی انجام پا گئیں تھیں، ہم اس بحث کو روشن اور واضح کرنے کے لئے تاریخ اور احادیث کی کتابوں کے مضامین کے چند نمونے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔ ۱۔ الطبقات الکبریٰ میں قاسم بن محمد سے نقل ہے کہ حباب بن منذر جو جنگ بدر کے شرکاء میں سے ایک ہے کھڑا ہوگیا اور کہا کہ ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمہارا ،حباب بن منذر کی گفتگو کے بعد حضرت عمر نے کہا : اگر ایسا ہے تو پھر مر جاؤ[1]، یہ روایت حباب بن منذر کی گفتگو اور حضرت عمر کے ساتھ اس کی تلخ کلامی اور نزاع کو بیان کرتی ہے۔

۲۔ جو روایات نسائی نے نقل کی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں،انصار نے کہا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک امیر تم لوگوں کا ہوگا تو حضرت عمر نے کہا : ایک نیام میں دو تلواریں رکھنا صحیح نہیں ہیں[2]،روایت کا یہ حصہ بالکل اس مضمون جیسا ہے جسے ابو مخنف نے نقل کیا ہے بس فرق یہ ہے کہ اس روایت میں انصار میں سے جس شخص نے یہ بات کہی تھی اس کا نام نہیں لیا جب کہ ابو مخنف اور دوسرے افراد نے انصار کی طرف سے بولنے والے شخص کا نام بتایا ہے کہ وہ حباب بن منذر تھا ۔

۳۔ حضرت عمر نے اپنے خطبہ میں کہا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے کہا کہ '' میں ایک تجربہ کار شخص ہوں اور دنیا کے نشیب وفراز سے خوب واقف ہوں لہٰذا ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمھارا ہوگا،اے گروہ انصار! اس کے بعد اس طرح شورو غل اور ایک ہنگامہ آرائی ہوئی کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں اختلاف نہ ہوجائے[3]''،حضرت عمر کے اس کلام کی روشنی میں انصار کی طرف سے بولنے والے شخص کے بعد اس طرح شور و غل شروع ہوا کہ حضرت عمر اختلاف پیدا ہوجانے سے خوفزدہ تھے۔لہٰذا جیسا کہ تیسرے اعتراض کے جواب میں ہم نے عرض کی کہ ایسا نہ تھا کہ انصار بغیر کسی چون و چرا کے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سامنے جھک گئے تھے،بلکہ یقینی طور پر کافی دیر تک بحث ومباحثہ اور تلخ کلامی کا سلسلہ چلتا رہا اور وہ روایت کہ جسے معترض نے نقل کیا

---

[1] الطبقات الکبریٰ الکبریٰ :ج۳ص۱۸۲

[2] فضائل الصحابہ : ص ۵۵،۵۶

[3] سقیفہ میں حضرت عمر کا خطبہ ۔

ہے کہ تمام انصار حضرت ابو بکر کے سامنے جھک گئے تھے(جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے)وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے علاوہ اہل سنت کی صحیح روایت سے مکمل تعارض بھی رکھتی ہے۔

۴۔الامامۃ والسیاسۃ[1] اور سقیفہ وفدک جوہری[2] نے بھی حباب بن منذر اور حضرت عمر کے درمیان سخت گفتگو ہونے کو نقل کیا ہے اور ابن اثیر نے الکامل[3] میں اس گفتگو کے علاوہ ابو مخنف کی عین عبارت کو بھی نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے سے کہا ''خدا تجھے موت دے''الامامۃ والسیاسۃ نے اس مطلب کے علاوہ حباب بن منذر اور حضرت عمر کے درمیان پیغمبر اسلامؐ کے زمانے کی دشمنی کا بھی ذکر کیا ہے۔

۵۔طبری نے تو سیف بن عمر کے حوالے سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ حضرت عمر اور حباب بن منذر کے درمیان بات اتنی بڑھ گئی کہ نوبت مار پیٹ تک پہونچ گئی[4]۔گذشتہ بیان کی روشنی میں نہ فقط دوسری روایات ابو مخنف کی روایت سے تعارض نہیں رکھتی ہیں بلکہ اس کی تائید کرتی ہیں،اور اگر بات تعارض کے بارے میں کی جائے تو جو کچھ تمام روایات میں بیان کیا گیا ہے وہ روایت احمد سے تعارض رکھتا ہے جسے خود معترض نے سند کے طور پر پیش کیا ہے،نہ کہ روایت ابو مخنف سے۔

نواں اعتراض

''انصار کی طرف سے مہاجرین کوڈرانے دھمکانے کا انکار''مہاجرین کے بزرگ افراد کو مدینہ سے باہر نکالنے سے متعلق حباب بن منذر کی گفتگو اور انہیں ڈرانا دھمکانا ان باتوں سے تعارض رکھتا ہے جوکچھ قرآن نے انصار کے بارے میں فرمایاہے، قرآن سورہ حشر کی آیت نمبر نو میں فرماتا ہے ''اور جن لوگوں نے دارالہجرت اور ایمان کو ان سے پہلے اختیار کیا تھا وہ ہجرت کرنے والے کو

[1] الامامۃ والسیاسۃ : ص ۲۵
[2] السقیفہ وفدک :ص ۵۸۰
[3] الکامل فی التاریخ : ج۲ص ۱۳
[4] تاریخ طبری : ج۳،ص ۲۲۳(اگرچہ ہم سیف بن عمر کی روایت پر یقین نہیں رکھتے لیکن معترض نے ابو مِخنف کی روایت کو باطل ثابت کرنے کے لئے بارہا اپنی کتاب میں سیف بن عمر کی روایت کو سند کے طور پر پیش کیا ہے۔

دوست رکھتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا گیا ہے اپنے دلوں میں اس کی طرف سے کوئی ضرورت نہیں محوس کرتے ہیں اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو،اور جسے بھی اس کے نفس کی حرص سے بچا لیا جائے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں'' جو کچھ یہ آیت انصار کے ایثار کے بارے میں بیان کرتی ہے اسے روایت کے مطالب کے ساتھ کیسے جمع کیا جائے ؟اور کس طرح محبت ونفرت،اخوت ودشمنی ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں ؟لہٰذا اگر کوئی شخص انصار کے ایمان اور ایثار سے اچھی طرح واقف ہوتو وہ ہرگز اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ جسے ابو مخنف کی روایت نے بیان کیا ہے،بلکہ وہ اسے محض جھوٹ ہی کہے گا[1]۔

جواب۔ پہلی بات تویہ ہے کہ انصار کے فضائل اور ان کے ایثار میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ کمال محبت اور ایثار کا برتاؤکیا ہے اور اس سے بھی انکار نہیں کہ انہوں نے یہ کام صرف خدا کی خوشنودی کے لئے کیا تھا اور یہ بات واضح ہے کہ انصار کی طرف سے مہاجرین کے ساتھ یہ محبت وایثار خدا اور رسولؐ سے خالصانہ او ران کی فرماں برداری کی بنا پر تھا۔

اب اگر انصار یہ گمان کریں کہ بعض مہاجرین ولایت وحکومت کے بارے میں وحی الٰہی اور پیغمبر اسلامؐ کی مسلسل تاکیدات سے سر پیچی کرکے حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور انکا مقصد اہل بیتؑ کو خلافت سے دور کرنا اور انصار پر غلبہ حاصل کرنا ہے تو ایسی صورت میں نہ فقط ان کی نسبت محبت کی کوئی راہ باقی نہیں رہ جاتی ہے،بلکہ اگر خدا کی خاطر ان سے بغض رکھا جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ دوسری بات یہ کہ کیا تمام انصار کا اطلاق حباب بن منذر پر ہوتاہے؟اسی طرح کیا تمام مہاجرین فقط وہ تین ہی افراد ہیں کہ اگر ایک انصار ایک مہاجر کے ساتھ سخت لہجہ میں بات کرے تو ہم کہیں کہ یہ چیز قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ '' انصار،مہاجرین کی نسبت دوست اور ایثار گر ہیں''،لہٰذااگر ایک انصاری کوئی نازیبا الفاظ ادا کرتا ہے تو اس سے دوسرے

---

[1] مرویات ابو مِخنف فی تاریخ الطبری :ص ۱۲۴

انصار کی شان وشوکت میں کوئی کمی نہیں آتی، جیسا کہ سقیفہ میں اس بات کا مشاہدہ بھی کیا گیا کہ بعض انصار نے حباب بن منذر کی اس پیشکش کا کوئی مثبت جواب نہ دیا اسی طرح اگر بعض مہاجرین پیغمبرؐ کی قرابتداری کا حوالہ دے کر پیغمبرؐ کے جنازہ کو اسی حالت میں چھوڑ کر سقیفہ میں حکومت حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے تھے تو اگر ایسے مہاجرین کے ساتھ اچھی طرح پیش نہ آیا جائے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ تمام مہاجرین کے بارے میں انصار کی یہی رائے ہے اور حباب بن منذر کی پوری گفتگو کا تعلق صرف سقیفہ میں موجود مہاجرین ہی سے تھا۔[1]

اس لئے کہ وہ کہتا ہے '' ولا تسمعوا مقالۃ ھذا و اصحابہ فان ابوا علیکم ما سألتموہ فا جلوھم عن ھذہ البلاد ''یعنی اس شخص (عمر)اور اسکے ساتھیوں کی گفتگو پر کان مت دھرو اور اگر انہوں نے تمھاری مرضی اور چاہت کے خلاف کوئی کام انجام دیا تو انہیں یہاں سے باہر نکال دو،اس بیان کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ حباب بن منذر کی مراد سقیفہ میں موجود چند افراد تھے،اسلئے کہ انگلیوں پر گنے جانے والے چند افراد کے علاوہ اکثر مہاجرین وہاں موجود نہ تھے اور ان میں سے اکثر سقیفہ کی کاروائی کے مخالف تھے[2]۔ اور دوسری تمام تاریخی کتب کہ جو حضرت ابوبکر کی بیعت کی مخالفت کی نشاندہی کرتی ہیں۔اور تیسری بات یہ کہ آیت کا مفہوم اور اس کی تفسیر ہرگز اس معنی میں نہیں کہ جس کا معترض نے دعویٰ کیا ہے اس لئے کہ آیت ایک تاریخی واقع کو بیان کرتی ہے جو ایک خاص زمانے میں پیش آیا ہے اور وہ تاریخی واقع یہ تھاکہ جب بعض مہاجرین نے سرزمین مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مدینہ کے رہنے والوں نے ان کا گرم جوشی سے والہانہ استقبال کرکے انکے لئے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا اور یقینی طور پر آیت کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ مہاجرین اور انصار میں سے کسی ایک فرد کا دوسرے کے ساتھ کسی بھی زمانے میں لڑائی جھگڑا نہیں ہوسکتا ،اس لئے کہ ایسے بے شمار مواقع پائے جاتے ہیں جو آیت کی نقض قرارپائیں گے، مثال کے طورپر وہ لڑائی جھگڑے جو خلفاء ثلاثہ کی حکومتوں کے دوران پیش آئے کہ جن میں ایک مسئلہ خود حضرت عثمان کے قتل کا تھا نیز حضرت علیؑ کے دور خلافت میں شدید قسم کی جنگیں ہوئیں جیسے

---

[1] سقیفہ کے بارے میں ابومخنف کی روایت کا مضمون۔
[2] رجوع فرمائیں، تاریخ یعقوبی :ج ۲ص ۱۲۴۔

جنگ جمل، جنگ نہروان، جنگ صفین کہ ان جنگوں میں دونوں طرف مہاجرین اور انصار کی تعداد موجود تھی اور کیا یہی مہاجرین اور انصار نہ تھے جو ان جنگوں میں ایک دوسرے کو قتل کررہے تھے، اب اس کے بعد بھی کیا قرآن مجید کے مطابق ایسی کج فہمی کی کوئی تاویل ممکن ہے؟ یہ کتنا ضعیف اور فضول اعتراض ہے کہ جو معترض کی طرف سے کیا گیا ہے؟!

دسواں اعتراض

''سقیفہ میں اوس و خزرج کے درمیان اختلاف سے انکار''ابو مخنف کی روایت کا ایک جملہ یہ ہے کہ قبیلہ اوس والوں کا کہنا تھا کہ اگر خزرج والے ایک مرتبہ خلافت پر آگئے تو ہمیشہ اس پر باقی رہیں گے ظاہراً اس بات کے پیش نظر قبیلہ اوس والوں کا حضرت ابوبکر کی بیعت کرنا در حقیقت خزرج والوں کی حکومت سے جان چھڑانا تھا نہ یہ کہ انکی بیعت حضرت ابوبکر کی فضیلت یا اسلام میں سبقت کی وجہ سے تھی اور یہ چیز ان دونوں قبیلوں کے درمیان اسلام سے پہلے جیسی دشمنی کی نشاندہی کرتی ہے اور یہ کہ پیغمبرؐ کی تربیت، خدا کی راہ میں جان ومال سے جہاد سب کا سب عارضی اور وقتی تھا جس کا اب کوئی اثر تک باقی نہ تھا ایسا کہنا رسول خداؐ اور انکے اصحاب پر بہت بڑی تہمت لگانا ہے جبکہ صحیح روایات اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ پیغمبرؐ کے تربیت شدہ افراد کے سامنے جب حکم خدا کو سنایا گیا تو ان سب نے اسے قبول کرلیا اس لئے کہ حضرت ابوبکر کے ساتھ کوئی لشکر تو نہیں تھا کہ جو وہ خوف وہراس کی وجہ سے بیعت کرنے پر مجبور ہوگئے ہوں[۱]۔

جواب۔پہلی بات تو یہ کہ کوئی شخص بھی انسانوں کی تربیت کے سلسلے میں پیغمبر اسلامؐ کی مسلسل کوششوں کا منکر نہیں ہے اور پیغمبر اسلامؐ حتی الامکان یہ کوشش کرتے تھے کہ قبیلوں کے درمیان جو پرانی دشمنیاں چلی آرہی ہیں انہیں جڑ سے ختم کردیا جائے اور انہیں یہ بات سمجھائی جائے کہ کوئی قبیلہ کسی قبیلہ پر برتری اور فوقیت نہیں رکھتا اسکا معیار صرف تقویٰ الٰہی ہے ۔ (ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم[۲]) ۔بے شک پیغمبرؐ نے اس سلسلے میں بے انتہا کوششیں کیں اور اپنے کار رسالت کو احسن طریقہ سے انجام دیا اور اپنی مکمل

---

[۱] مرویات أبی مِخنف فی تاریخ الطبری: ص ۱۲۴،۱۲۵۔
[۲] سورہ حجرات: آیت ۱۳

ذمہ داری ادا کی ۔ ۔ ''وما علی الرسول الآ البلاغ المبین[1]'' ۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ کیا لوگوں نے بھی ان تمام دستورات واحکام پر عمل کیا اور ان تمام تعصبات کو مکمل طور پر ختم کردیا ؟حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی انتھک کوششوں کے نتیجہ میں قبیلوں کے درمیان شدید جنگیں تو ختم ہوگئیں مگر بحث بازی اورآپسی رقابت ختم نہ ہوئی اس لئے کہ اس زمانے میں نہ یہ کام ممکن تھااور نہ شایدیہ مصلحت رہی ہوکہ اس رقابت کو مکمل طور سے ختم کردیا جائے، عربوں میں قوم اور قبیلہ کا تعصب اس قدر عمیق اور پرانا ہے کہ اسے اتنی جلدی ختم نہیں کیا جاسکتا تھااور سچ بات تو یہ ہے کہ اس بات کا تعلق فقط عربوں سے ہی نہیں بلکہ عصر حاضر میں غیر عرب بھی اپنے قوم وقبیلہ اور تنظیموں کی طرف تمایل اور رغبت رکھتے ہیں اور یہ بیماری آخری دم تک انسانوں کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اور یہ واضح ہے کہ یہ چیز پیغمبرؐ کے لئے کسی بھی طرح نقص شمار نہیں ہوتی اس لئے کہ آپؐ کی ذمہ داری فقط تبلیغ کی تھی جسے آپؐ نے کما حقہ انجام دیا اب جو چاہے مومن ہوجائے جو چاہے کافر[2]۔

جیسا کہ بعض لوگوں کی گمراہی اور خداو رسولؐ کے احکامات سے انکی سرپیچی کرنا رسولؐ کے لئے کوئی نقص محسوب نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ جو ایمان لے آئے سب کے سب ایمان کے ایک درجہ پر نہیں تھے بعض ایمان کے بلند درجہ پر فائز تھے اور بعض ایمان کے نچلے درجہ پر ہی باقی رہے، اب ان افراد کے ایمان کا کمزور ہونا بھی پیغمبرؐ کے لئے کسی قسم کا نقص نہیں ہے اس لئے کہ تمام افراد کی استعداد ،کوششیں اور جدوجہد وامکانات ایک جیسے نہیں ہوتے، یا یوں کہا جائے کہ ہر آدمی اپنی ظرفیت کے مطابق اس دریائے بے کراں سے سیراب ہوا ۔انصار اور مہاجرین اور دوسرے اصحاب پیغمبرؐ بھی سب کے سب ایمان کے ایک درجہ پر فائز نہ تھے جسے قرآن نے بھی بیان کیا ہے کہ بعض تو فقط اسلام ہی لائے تھے اور ایمان نہ رکھتے تھے[3] اور یہ بات واضح ہے کہ وہی شخص اپنے قوم وقبیلہ کے تعصب پر قابو پا سکتاہے کہ جو بہت ہی زیادہ ایمان ایمان اور تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو، اب اگر کوئی اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے قبیلہ کے تعصب کو قابومیں نہیں کرسکتا تو اس کا پیغمبرؐ سے کیا ربط ہے اور یہ پیغمبرؐ کے لئے کس

[1] سورہ نور: آیت ۵۴،سورہ عنکبوت: آیت ۱۸۔
[2] سورہ کہف: آیت ۲۹۔
[3] سورہ مبارکہ حجرات: آیت ۱۴۔

طرح نقص ہے ؟!اس کے علاوہ اہل سنت کی بہت سی روایات اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد بہت سے مسلمان مرتد ہوگئے تھے،جیسا کہ جناب عائشہ کی روایت ہے آپ فرماتی ہیں ''لما توفیٰ رسول اللہ ارتد العرب[۱]''،یعنی رسولؐ کی رحلت کے بعد عرب مرتد ہوگئے تھے۔ اب یہ نہیں معلوم کہ مسلمانوں کا مرتد ہوجانا پیغمبرؐ کے لئے نقص شمار ہوگا یا نہیں مگر بعض لوگوں کی قبیلہ پرستی تعصب پیغمبرؐ کی تعلیمات کے لئے نقص سمجھی جاتی ہے؟!۔

دوسری بات کہ اگر ابومخنف کی روایت نے قبیلہء اوس والوں کی طرف یہ نسبت دی ہے کہ وہ قبیلہ جاتی تعصب کا شکار تھے اور یہ چیز پیغمبر اسلامؐ کی تعلیمات پر انگلی اٹھانے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ پیغمبرؐ نے جن افراد کی تربیت کی تھی وہ تمام کے تمام ہر قسم کے تعصب سے پاک تھے۔ تو اب ایسے میں بہتر ہے کہ ہم یہاں حضرت ابو بکر کی سقیفہ میں کی جانے والی تقریر کو بیان کردیں کہ جسے اہل سنت کی صحیح روایات نے نقل کیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہوجائے کہ اس میں انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کی تعلیمات سے کس حد تک استفادہ کیا ہے۔

حضرت عمر نے سقیفہ کے بارے میں جو معروف خطبہ دیا تھا اس میں سقیفہ کی کاروائی کے دوران حضرت ابوبکر کی تقریر کو انہوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ابوبکر نے کہا ''ولن یعرف ھذا الامر الّا لھذا الحیّ من قریش ھم أوسط العرب نسباً وداراً[۲]''،یعنی یہ عہدۂ خلافت قریش کے علاوہ کسی اور کے لئے مناسب نہیں اس لئے کہ وہ نسب اور شہر کے اعتبار سے سب پر شرف رکھتے ہیں، کیا یہ کلام قبیلہ کی برتری جتانے کو ظاہر نہیں کرتا ؟ کیا قریش کا نسب اور ان کا شہر دوسروں پر برتری کا سبب بن سکتا ہے ؟ مگر کیا حضرت ابو بکر پیغمبر اسلامؐ کی تعلیمات سے بے بہرہ تھے کہ جو قبیلے اور شہر کی برتری کی گفتگو بیچ میں لے آئے،کیا انہوں نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی تھی (ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم[۳]) ؟!۔دوسری روایت کہ جسے ابن ابی شیبہ نے ابو اسامہ سے نقل کی ہے ،وہ

[۱] السیرۃ النبویہ : ابن ہشام :ج۴ص ۳۱۶۔
[۲] سقیفہ کے بارے میں حضرت عمر کا معروف خطبہ۔
[۳] سورہ مبارکہ حجرات: آیت۱۳۔

کہتاہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں انصار سے خطاب کرتے ہوئے اس طرح کہا ’’ ولکن لاترضیٰ العرب ولاتقرالاّ علی رجل من قریش لانھم افصح الناس ألسنة وأحسن الناس وجوھاً ، واوسط العرب داراً واکثر الناس سجّیة[1]‘‘ ’’لیکن عرب راضی نہ ہونگے اور قبول نہ کرینگے جب تک کوئی شخص قریش میں سے نہ ہو اس لئے کہ وہ فصیح ،خوبصورت، جگہ کے لحاظ سے صاحب شرف،نیک فطرت اور خوش مزاج لوگ ہیں‘‘ اور کیا کہیں ؟سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی یہ گفتگو کہ جس میں قریش کی برتری کو بیان کیا جارہا ہے واضح طور پر ان کے قبیلہ جاتی تعصب کی نشاندہی کررہی ہے جبکہ انہوں نے تقویٰ اور پرہیز گاری کی کوئی بات ہی نہیں کی، اب ایسی صورت میں حضرت ابوبکر جو بعض اہل سنت کے نزدیک بہت ہی زیادہ فضائل کے حامل ہیں بلکہ بعض نے تویہ تک کہا ہے کہ وہ پیغمبرؐ کے بعد سب سے افضل مرد ہیں جب ان کا حال یہ ہے تو اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ معترض نے اپنے اعتراض کے آخری حصے میں بہت ہی عجیب و غریب بات کہی کہ ’’جب انصار نے حکم خدا کو سنا تو سب کے سب حضرت ابوبکر کے سامنے تسلیم ہوگئے‘‘

، ہم اس کا جواب دے چکے ہیں کہ کیا حضرت ابوبکر کی گفتگو کے بعد سب کے سب تسلیم ہوگئے تھے یا نہیں؟اب رہی یہ بات کہ معترض نے حضرت ابوبکر کی تقریر کو حکم خدا بیان کرنے سے تعبیر کیا ہے، ہم معترض سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کس طرح تمام انصار میں ایک فرد بھی حکم خدا سے آگاہ نہ تھا اور صرف حضرت ابوبکر ہی حکم خدا جانتے تھے؟!کس طرح ممکن ہے کہ وہ پیغمبرؐ جو احکام الٰہی کے ابلاغ پر مامور تھے انہوں اس حکم خدا کو لوگوں کے لئے بیان نہ کیا ہو؟اوریہ بات کہنا کہ حضرت ابوبکر حکم خدا سے باخبر تھے اور انہوں نے لوگوں کو حکم خدا سے آگاہ کیا ،کیا یہ پیغمبراسلامؐ پر احکام تبلیغ کے سلسلے میں کوتاہی کرنے کی تہمت نہیں ہے؟آخر کیا بات ہے کہ حضرت علیؑ وجناب فاطمہؑ کہ جو اہل بیتؑ وحی ہیں نیز بنی ہاشم اور پیغمبر اسلامؐ کے دوسرے صحابہ نہ فقط یہ کہ

[1] الکتاب المصنف: ج۷،۴۳۳۔

اس حکم سے بے خبر تھے بلکہ وہ اس حکم کو قبول بھی نہیں کررہے تھے وہ حکم حضرت ابوبکر کی بیعت کرنا تھا۔ کیا واقعاً، وہ حکم جو حضرت ابوبکر نے سنایا تھا وہ حکم خدا تھا یا خود ان کا ذاتی حکم تھا؟۔

گیارھواں اعتراض

''ابو عبیدہ کی تقریر کے تنہا راوی ابو مخنف ہیں'' انصار سے ابو عبیدہ کا خطاب کرنا فقط ابو مخنف کی روایت میں ملتا ہے اور کسی دوسری روایت میں اس کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے[1]۔

جواب۔ ابوعبیدہ وہ شخص ہے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ساتھ سقیفہ گیا اور اس کی کارروائی میں موجود تھا شروع میں حضرت ابوبکر نے لوگوں کو ابوعبیدہ اور حضرت عمر کی بیعت کرنے کی پیشکش کی اور اسی چیز سے اس جلسہ میں اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے ممکن ہے کہ اس نے بھی اس جلسہ میں تقریر کی ہو جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ جو روایات سقیفہ کی کارروائی کو بیان کرتی ہیں وہ نہایت مختصر اور نقل بہ معنی ہیں اس لئے دوسرے راویوں کا نقل نہ کرنا ابو مخنف کی مفصل روایت کے بارے میں اس کے ضعیف ہونے پر دلیل نہیں ہے، اس کے علاوہ ابو عبیدہ کے خطاب کو فقط ابو مخنف ہی نے نقل نہیں کیا بلکہ دینوری نے الامامۃ والسیاسۃ[2] میں، ابن اثیر[3] نے الکامل میں اور یعقوبی[4] نے اسے اپنی تاریخ یعقوبی میں بالکل ابو مخنف کی روایت کی طرح نقل کیا ہے۔

بارھواں اعتراض

''سعد بن عبادہ اور حضرت عمر کے درمیان نزاع سے انکار'' اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر نے سقیفہ میں سعد بن عبادہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''قتل اللہ سعداً'' یعنی خدا سعد کو قتل کرے ۔

---

[1] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری :ص ۱۲۵۔
[2] الامامۃ والسیاسۃ :ص۲۵۔
[3] الکامل فی التاریخ:ج۲ص۱۴۔
[4] تاریخ یعقوبی: ج۲ص۱۲۳۔

لیکن حضرت عمر کے اس جملہ سے مراد جیسا کہ کتاب غریب الحدیث میں ذکر ہوا ہے کہ '' دفع اللہ شرّہ ''یعنی خدا اس کے شر کو دفع کرے نہ یہ کہ خدا سعد کو موت دے، جبکہ ابو مخنف کی روایت حضرت عمر اور سعد بن عبادہ کے درمیان بحث ومباحثہ اور تلخ کلامی کو بیان کرتی ہے اور دوسری تمام روایات اس کے برعکس ہیں[1]۔

جواب۔پہلی بات تو یہ کہ بہت سی تاریخ اور احادیث کی کتابوں نے واضح طور پر اس تلخ کلامی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۔انساب الاشراف[2] میں روایت نقل ہوئی ہے کہ حضرت عمر نے سعد کے بارے میں کہا '' اقتلوہ فانہ صاحب فتنہ ''یعنی اسے قتل کردو کہ وہ فتنہ گر ہے۔

۲۔یعقوبی[3] کا کہنا ہے کہ حضرت عمر نے کہا '' اقتلوا سعداً قتل اللہ سعداً ''یعنی سعد کو قتل کردو،خدا سعد کو ہلاک کرے۔

۳۔حضرت عمر کے خطبہ کے سیاق وسباق سے بھی یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں اس لئے کہ اس سے پہلے کہ حضرت عمر یہ بات کہیں لوگوں کے ازدہام کی وجہ سے سعد کے ایک قریبی فرد نے کہا کہ ''کہیں سعد کچل نہ جائے''،تو حضرت عمر نے یہ جملہ سننے کے بعد کہا ''قتل اللہ سعداً ''اللہ سعد کو موت دیدے[4]۔

۴۔دینوری[5] نے بھی اس تلخ کلامی کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے '' اقتلوہ (اسے قتل کردو)قتلہ اللہ (خدا اسے موت دے)'' اگرچہ اس نے اس قول کے کہنے والے کے نام کو ذکر نہیں کیا لیکن یہ بات متفق علیہ ہے کہ وہ شخص حضرت عمر ہی تھے اور یہ صراحت اور وضاحت جو اس عبارت میں موجود ہے ہر قسم کی تفسیر اور تاویل کے راستہ کو بند کردیتی ہے۔دوسری بات یہ کہ '' قتل اللہ سعداً '' درحقیقت اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا سعد کو ہلاک کرے۔ لہٰذا اگر اس جملے کے کہنے والے کی مراد اسکے حقیقی

---

[1] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری :ص ۱۲۵۔
[2] انساب الاشراف :ج۲ص ۷۶۵۔
[3] تاریخ یعقوبی: ج۲ص۱۲۳۔
[4] سقیفہ کے بارے میں حضرت عمر کا خطبہ ۔
[5] الامامۃ والسیاسۃ :ص ۲۷۔

معنی نہ ہوں اور وہ اسے مجازی معنی میں استعمال کر رہا ہو تو اسے دو مسئلوں کی طرف توجہ رکھنی چاہیے، ایک یہ کہ حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان رابطہ ضروری ہے اور دوسری بات یہ کہ حقیقی معنی کو مجازی معنی میں استعمال کرنے کے لئے قرینے کی ضرورت ہوتی ہے۔یہاں پر کسی بھی قسم کا تناسب اور رابطہ حقیقی معنی اور معترض کے کلام میں نہیں پایا جاتا ہے اس لئے کہ جملہ کے حقیقی معنی ایک قسم کی بددعا ہے جبکہ معترض کے معنی اس کے برعکس ہیں جو ایک قسم کی دعا سمجھی جاتی ہے اور اسی طرح کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں ہے کہ جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ کلام کے کہنے والے نے اسے مجازی معنی کے لئے استعمال کیا ہے،اس لئے کہ کسی بھی تاریخ اور حدیث کی کتاب میں قرینۂ مذکور موجود نہیں ہے اور نہیں معلوم کہ جن لوگوں نے یہ مضحکہ خیز تاویل پیش کی ہے اس لئے ان کی کیا دلیل ہے؟۔

ظاہراً معترض اور جن لوگوں نے اس تاویل کو پیش کیا ہے شاید وہ یہ سمجھے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی تھی اور انہوں نے کسی قسم کی کوئی مخالفت نہ کی لیکن یہ ایک نہایت ہی غلط فکر ہے اس لئے کہ تاریخ اور احادیث کی بہت سی کتابوں میں سعد بن عبادہ کی طرف سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی شدید قسم کی مخالفت نقل ہوئی ہے کہ جس کی تفصیل تیرہویں اعتراض کے جواب میں بیان کی جائے گی۔

تیرھواں اعتراض

''سعد بن عبادہ کا حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کرنے سے انکار''، سقیفہ کے بارے میں تمام محدثین اور مورخین نے جو روایات نقل کی ہیں ان کی روشنی میں تمام مہاجرین اور انصار کے ساتھ سعد بن عبادہ نے بھی حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی تھی اور فقط روایت ابومخنف میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی اور اس قسم کے دوسرے مسائل جیسے اس کا ان کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہونا وغیرہ کیا سعد بن عبادہ کا حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے یا نہ کرنے کا ان پر کوئی اثر ممکن ہے کہ جس کی اطاعت پر امت

نے اجماع کرلیا تھا؟ بہرحال کوئی صحیح روایت ایسی نہیں ملتی جو سعد بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے کو بیان کرتی ہو بلکہ جو کچھ نقل ہوا ہے وہ اس کے بیعت کرنے کو بیان کرتا ہے[1]۔

جواب۔ معترض کا دعویٰ یہ ہے کہ تمام مہاجرین اور انصار نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی تھی لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ محدثین اور مورخین نے جو سقیفہ کے بارے میں روایات نقل کی ہیں ان سے پتہ چلتاہے کہ سقیفہ کی کارروائی کے بعد بہت سے انصار اور مہاجرین نے جن کا شمار رسول خداؐ کے اکابر صحابہ میں ہوتا تھا حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کردیا تھا،ذیل میں ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں ۔

۱۔سقیفہ کے بارے میں حضرت عمر اپنے خطبہ میں کہتے ہیں کہ ''خالف عنا علّي والزبیر ومن معھا[2]''،یعنی حضرت علیؑ اور زبیر اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے انہوں نے ہماری مخالفت کی!اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور تمام بنی ہاشم اور زبیر اور ان کی قوم اور دوست واحباب نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی مخالفت کی۔

۲۔یعقوبی کا کہنا ہے ''و تخلف عن بیعۃ ابی بکر قوم من المہاجرین والانصار ،ومالوامع علی بن ابی طالب، منھم: العباس بن عبدالمطلب والفضل بن العباس والزبیر بن العوام بن العاص وخالد بن سعید والمقداد بن عمرووسلمان الفارسی و ابوذر الغفاری وعمار بن یاسر والبرّاء بن عازب و ابي بن کعب[3]''،یعنی انصار اور مہاجرین کے ایک گروہ نے بیعت نہیں کی اور وہ لوگ حضرت علیؑ کی بیعت کرنا چاہتے تھے جن میں عباس بن عبدالمطلب ، فضل بن عباس ، زبیر بن عوام بن عاص ، خالد بن سعید، مقدادبن عمرو، سلمان فارسی، ابوذرغفاری، عمار یاسر، برّاء بن عازب اور ابی بن کعب شامل ہیں۔

---

[1] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری: ص ۱۲۶۔۱۲۵ (خلاصہ کے ساتھ)
[2] سقیفہ کے بارے میں حضرت عمر کا خطبہ۔
[3] تاریخی یعقوبی : ج ۲ ص ۱۲۴۔

۳۔ معودی کا کہنا ہے کہ جب تک حضرت علیؑ نے بیعت نہیں کی بنی ہاشم میں سے کسی نے بھی بیعت نہیں کی[1] اس بات کو ابن اثیر نے بھی لکھا ہے[2]۔ ہم نے حضرت ابوبکر کی بیعت کے مخالفین کے عنوان سے جن چند افراد کے نام پیش کئے ہیں وہ فقط بعنوان مثال اور بطور شاہد ہیں وگرنہ تاریخی کتابوں میں حضرت ابوبکر کی بیعت کے مخالفین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ بتائی گئی ہے[3]۔ ان مطالب کے پیش نظر اورتاریخی کتابوں پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتاہے کہ معترض کا یہ دعویٰ کہ پوری امت نے حضرت ابوبکر کے مقدم ہونے اور ان کی اطاعت پر اجماع کرلیا تھا بے بنیاد اوربلا دلیل ہے اور یہ بات کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ کیسا اجماع تھا کہ جس کے مخالف حضرت علیؑ، اہل بیت پیغمبرؐ اور تمام بنی ہاشم جیسے لوگ تھے ؟نیز یہ کس قسم کا اجماع تھاکہ پیغمبر اسلامؐ کے جلیل القدر صحابہ جیسے سلمان فارسی، ابوذرغفاری، مقداداورعماریاسر وغیرہ۔ اس کی مخالفت کررہے تھے ؟!

رہی یہ بات کہ بیعت کے مخالفین پر کیا گزری اور ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہوااس سلسلے میں تاریخ کی کتابوں میں بہت اختلاف ہے لیکن مجموعی طور پر کہا جاسکتاہے کہ ان مخالفین میں سے بعض نے دھمکیوں[4] سے خوفزدہ ہوکر اور بعض نے مال کی لالچ[5] میں بیعت کرلی تھی، اور ان میں بعض وہ تھے کہ جوجبر واکراہ کے باوجود بھی حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے پر راضی نہ تھے[6] ان افراد میں حضرت علیؑ تھے کہ جو جبر واکراہ کے باوجود حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے[7]۔ اور یہ کہ حضرت علیؑ اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور شروع میں انہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی یہ بات ناقابل انکار حقیقت ہے بلکہ اس بات پر اجماع ہے جبکہ بعض نے کہا ہے کہ اگر چہ وہ ابتداء میں حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے پر تیار نہ تھے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی

[1] مروج الذهب :ج۲ص ۳۰۱۔
[2] الکامل فی التاریخ : ج۲ص ۱۴۔
[3] رجوع فرمائیں: کتاب عبدالله بن سبا " علامہ عسکری"
[4] السقیفہ وفدک : ص ۳۸۔
[5] السقیفہ وفدک : ص ۳۷۔
[6] انساب الاشراف :ج۲ص ۷۶۹،۷۷۰، تاریخ یعقوبی :ج۲ص ۱۲۶ ۔ السقیفہ وفدک: ص۶۰۔
[7] الامامۃ والسیاسۃ : ص ۳۰۔

تھی اور اس سلسلے میں مشہور قول یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکر کی بیعت کی[1]۔ سب سے پہلے ہم اس چیز کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی بیعت کرنے سے کیا مراد ہے؟ اگر بیعت سے مراد یہ لیا جائے کہ حضرت ابوبکر کو قانونی طور پر پیغمبر اسلامؐ کا جانشین اور خلیفہ تسلیم کرنا ہے تو حضرت علیؑ نے ہر گز اس معنی میں کبھی بھی حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی اس لئے کہ آپؑ نے ابتداء میں ہی حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کرکے یہ ثابت کر دیا تھا کہ آپ انہیں پیغمبر اسلامؐ کا خلیفہ نہیں مانتے تھے بلکہ اپنے آپؑ کو رسول خداؐ کا برحق خلیفہ سمجھتے تھے اور اس سلسلے میں آپ کبھی بھی متذبذب نہیں رہے لہٰذا آپ کے بارے میں اس معنی میں بیعت کا گمان کرنا آپ پر ظلم کے مترادف ہے اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے اپنی گذشتہ غلطی کا اقرار کر لیا تھا۔

اور اگر بیعت کے معنی مقابلہ نہ کرنے، مخالفت نہ کرنے، خلفاء کے کاموں میں مداخلت نہ کرنے اور مسلمانوں کی مشکلات کے حل کے لئے انکی مدد اور اسلامی معاشرہ کو انحراف سے بچانے کے ہیں تو اس سلسلہ میں یہ کہنا بہتر ہوگا کہ وہ تو ابتداء ہی سے اسکے پابند تھے نیز جب لوگ کسی اور کی طرف رخ کررہے تھے تو ان سے سلمان فارسی کا یہ کہنا کہ تمھارا بیعت کرنا اور نہ کرنا سب برابر ہے[2] حضرت علیؑ رسول خداؐ کے دفن کے بعد جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور گوشہ نشین ہوگئے[3] اور حفظ اسلام اور مصالح مسلمین کی خاطر خلفاء سے جنگ اور مقابلہ کے لئے کوئی اقدام نہ کیا بلکہ اگر کسی نے لوگوں کو کسی بھی قسم کے اقدام کے لئے تیار بھی کیا تو آپؑ نے انھیں روک دیا جیسا کہ عتبہ بن ابی لہب نے ایک جوشیلی تقریر میں بنی ہاشم سے کہا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ کریں توآپؑ نے انہیں خاموش رہنے کا حکم دیا[4] اور ابو سفیان کہ جو خاندان عبد مناف کی طرف سے مسلحانہ قیام چاہتا تھا اسے آپ نے اپنے سے

---

[1] انساب الاشراف :ج۲ص۷۷۰،مروج الذهب :ج۲ص ۳۰۱، الکامل فی التاریخ :ج۱ ص ۱۰۔۱۴

[2] انساب الاشراف :ج۴ص ۷۷۶

[3] السیرة النبویہ ابن ہشام :ج۴ص ۳۰۷،انساب الاشراف :ج۲ص ۷۷۶سب نے(حضرت علیؑ گوشہ نشین ہوگئے)عبارت نقل کی ہے۔ الکامل میں ابن اثیر، حضرت عمر کا خطبہ نقل کرتے ہوئے کہتاہے(علیؑ ،زبیراور وہ لوگ جنہوں نے ہماری مخالفت کی جناب فاطمہؑ کے گھر میں ہیں)حضرت علیؑ نہج البلاغہ کے خطبہ سوم شقشقیہ میں فرماتے ہیں کہ کیوں کہ مصلحت نہ دیکھی لہٰذا صبرو تحمل کوہی قرین فہم و عقل سمجھا۔

[4] تاریخ یعقوبی :ج۲ص ۱۲۴۔

دور کردیا[1]۔ لیکن خلفاء کی بیعت کیونکہ اتفاقی وناگہانی ہوئی تھی[2] لہٰذا ان کا خیال تھا کہ لوگ حضرت علیؑ کی طرف ضرور رجوع کریں گے اور حضرت علیؑ بھی اپنا حق لے کر رہیں گے اس لئے انھوں نے جناب فاطمہؑ کے گھر پر لشکر کشی میں عجلت کا مظاہرہ کیا اور زبردستی حضرت علیؑ کو مسجد میں لے آئے اور ان سے حضرت ابوبکر کی بیعت طلب کی لیکن آپ نے منع کردیا اور فرمایا کہ رسول خداؐ کا برحق خلیفہ میں ہوں[3]لیکن کچھ ہی عرصہ گزرنے کے بعد خلیفہ اس بات کو اچھی طرح جان گئے کہ وہ حضرت علیؑ اسلام کے تحفظ کی خاطر اپنے مسلّم حق سے بھی سبکدوش ہو سکتے ہیں،اور اسلامی معاشرہ کی اصلاح کے لئے ہر ممکن کوشش کرینگے ۔بس یہ خلفاء تھے کہ جنہیں اپنی کی ہوئی غلطی کا احساس ہوگیا تھا جس کے نتیجہ میں انھوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ اپنے رویہ کوتبدیل کیا نہ یہ کہ حضرت علیؑ ان کو خلیفہء رسولؐ سمجھتے تھے ۔

گذشتہ بیان کی روشنی میں زندگی کے آخری لمحات میں حضرت ابوبکر کی زبان سے نکلے ہوئے جملوں کو بخوبی سمجھا جاسکتاہے کہ ''اے کاش میں نے جناب فاطمہؑ کے گھر پر لشکر کشی نہ کی ہوتی[4] اسلئے کہ انہیں بعد میں اس بات کا احساس ہوا کہ اس کام سے نہ انھیں کوئی فائدہ پہونچا اور نہ اسکی ضرورت ہی تھی بلکہ اس سے جناب فاطمہؑ کا غضب جن کا غضب خدا اور رسولؐ کا غضب ہے[5] ان کے شامل حال ہوگیا[6]اور اس بناپر دنیا وآخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگئے۔

لہٰذا اگر بیعت پہلے والے معنی میں مرادلی جائے تو حضرت علیؑ نے ان کو ہرگز رسولؐ کا خلیفہ اور جانشین نہیں مانا اور ان کی بیعت نہ کی اور اگر بیعت کے دوسرے معنی مرادلئے جائیں تو حضرت علیؑ نے پہلے ہی دن سے خلفاء کے بارے میں چشم پوشی کو اپنا وظیفہ سمجھا اورگوشہ نشین ہوگئے اورکسی بھی صورت انکا مقابلہ اور ان کے خلاف بغاوت نہ کی۔یہاں تک تو ہم نے یہ بیان کیا کہ بعض

---

[1] انساب الاشراف :ج۲ص ۷۷۳،تاریخی یعقوبی :ج۲ص ۱۲۶۔
[2] انساب الاشراف :ج۲ص ۷۶۶،السقیفہ وفدک ص ۴۴، حضرت ابوبکر کا قول ہے کہ (میری بیعت ایک اتفاق اور حادثاتی تھی)
[3] الامامۃ والسیاسۃ : ص ۲۸،۲۹۔
[4] السقیفہ وفدک :ص۷۳،الامامۃ والسیاسۃ:ص۳۶۔
[5] الامامۃ والسیاسۃ :ص ۳۱، الغدیر:ج۷ص ۲۳۱ سے ۲۳۵ تک مجموعی طور پر انسٹھ طریقوں سے اس روایت کو نقل کیاہے۔
[6] الامامۃ والسیاسۃ :ص ۳۱،(حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہاکہ جناب فاطمہ ؑ کی خدمت میں چلتے ہیں کہ ہم نے انہیں ناراض کیا ہے)والبدایۃوالنہای: ج۵ص ۲۷۰ (جناب فاطمہؑ حضرت ابو بکر سے ناراض تھی اور آپ نے آخر دم تک ان سے بات نہیں کی)، الغدیر :ج۷ص۲۲۶ سے ۲۳۱ تک۔

صحابہ نے کس طرح حضرت ابوبکر کی بیعت کی تھی لیکن ان تمام افراد کے درمیان ایک فرد ایسا بھی تھا کہ اس نے (ظاہراً اپنی ضد کی وجہ سے) حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کی اور وہ سعد بن عبادہ تھا بہت سی روایات کے مطابق اس نے ہرگز حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی بیعت نہ کی اور پھر وہ شام چلا گیا اور وہاں پر مشکوک انداز میں قتل کر دیا گیا۔ معترض کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے سقیفہ میں ہی حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی تھی اور فقط ابو مخنف کی روایت میں سعد بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے کا ذکر ہے جبکہ کسی بھی صحیح روایت میں ایسا بیان نہیں ہے تمام روایتیں اس کے بیعت کرنے کو بیان کرتی ہیں، بہرحال سعد بن عبادہ کی بیعت کرنا یا نہ کرنا کون سا ایسا خاص اثر رکھتی ہے؟

ہم مدعی کے اس دعوے کو باطل کرنے کے لئے فقط چند مثالوں پر ہی اکتفاء کریں گے۔ ا۔ بلاذری نے مدائنی سے روایت کی ہے کہ :سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی اور پھر حضرت عمر نے اس کے پاس ایک شخص کو بھیجا کہ یا تو بیعت کرے یا پھر قتل ہونے کے لئے تیار رہے اور بیعت نہ کرنے کے سبب حضرت عمر کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا[1]۔

٢۔ معودی کا کہنا ہے کہ سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی اور مدینے سے شام چلا گیا اور ہجرت کے پندرویں سال قتل کر دیا گیا[2]۔

٣۔ ابن جوزی[3] کا کہنا ہے کہ تمام انصار اور مہاجرین نے بیعت کی مگر سعد بن عبادہ نے بیعت نہ کی اسکے بعد وہ ابن اسحاق سے نقل کرتا ہے کہ سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی اور ان کی نماز جماعت میں بھی شریک نہ ہوتا تھا اور یہ نقل ابو مخنف کی روایت کے مطالب سے شباہت رکھتی ہے۔

٤۔ جوہری کتاب السقیفہ وفدک میں کہتا ہے کہ سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور کسی کی بھی بیعت نہیں کی، اور اس کے نماز میں شریک نہ ہونے کو بھی بیان کیا ہے۔۔۔ جیسا کہ ابو مخنف کی روایت بیان کرتی ہے۔

---

[1] انساب الاشراف : ج٢ص٧٧٤۔
[2] مروج الذهب : ج٢ص ٣٠١۔
[3] المنتظم :ج٤ص ٦٧۔

۵ ۔دینوری [2] نے ابو مخنف کی اصل عبارت کو نقل کیا ہے کہ وہ ان کی نماز جماعت میں شریک نہ ہوتا تھاوہ حضرت عمر کے دور خلافت میں شام چلاگیا اور وہاں اس کاانتقال ہوگیا جبکہ اس نے کسی کی بیعت نہیں کی تھی۔

٦۔ابن اثیر [3] نے بھی سعد کے آخری دم تک بیعت نہ کرنے کو ذکر کیا ہے۔

٧۔ابن سعد [4] کا کہنا ہے کہ حضرت ابو بکر نے جس آدمی کو سعد سے بیعت لینے کے لئے بھیجا تھا سعد نے اسے منفی جواب دیا اور کہا ''لاواللہ لاابایع۔''یعنی خدا کی قسم ہرگز میں بیعت نہ کروں گا۔

٨ ۔ ان تمام شواہد کے باوجود بھی کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ سعد بن عبادہ کی بیعت نہ کرنے کو فقط ابو مخنف نے نقل کیا ہے کیا واقعاً ان تمام شواہد میں سے ایک نمونہ بھی معترض کی نظر کے سامنے سے نہیں گزرا، یا عمداً ان حقائق سے چشم پوشی کی گئی ہے؟اور معترض نے کس طرح یہ اعتراض کرتے ہوئے صرف محدثین اور مورخین کے اقوال کا سہارا لیاہے اور کسی بھی صحیح روایت کا حوالہ نہیں دیا لیکن اس مطلب کے جواب کے سلسلے میں صحیح روایت کی تلاش میں ہے کیا یہ تاریخ اور احادیث کی کتابیں معتبر نہیں ہیں اور فقط مسند احمد بن حنبل کی نقل شدہ مرسلہ روایت صحیح اور قابل قبول ہے؟!

اس کے علاوہ یہ کہ ہم اہل سنت کی صحیح روایات کے ساتھ اس روایت کے تعارض کو بیان کر چکے ہیں، نیز وہ تمام روایتیں جن کو معترض نے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے [5] سعد بن عبادہ کی حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے کو بیان نہیں کرتیں،اس کے علاوہ مسند احمد بن حنبل [6] کی روایت میں بھی سعد بن عبادہ کی طرف سے حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے کا بیان نہیں ہے ،بلکہ روایت میںیہ ہے کہ سعد نے حضرت ابوبکر کی گفتگو کی تصدیق کی تھی جب کہ ہم اس روایت کے غلط ہونے کو پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں۔اور جہاں تک اس

---

[1] السقیفہ وفدک : ص٦٠،٥٩۔
[2] الامامۃ والسیاسۃ: ص ٢٧۔
[3] الکامل فی التاریخ :ج٢ص١۴۔
[4] الطبقات الکبریٰ :ج٣ص٦١٦۔
[5] مرویات ابی مِخنف فی تاریخ الطبری : ص ١١٢ سے ١١٨ تک۔
[6] مسند احمد بن حنبل : ج١ص ١٩٨۔

بات کا تعلق ہے کہ سعد بن عبادہ بیعت کریں یا نہ کریں اس سے حضرت ابوبکر کی ولایت وحکومت پر کیا اثر پڑتا ہے ؟ تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کا سردار تھا لہٰذا اس کا بیعت کرنا یا نہ کرنا اہمیت کا حامل تھا ،اس کے علاوہ اس کا شمار پیغمبر اسلامؐ کے جلیل القدر اصحاب میں ہوتا تھا، کس طرح وہ لوگ کے جو پیغمبر اسلامؐ کے تمام صحابہ کے طیب وطاہر ہونے کے دعویدار ہیں مگر جب سعدبن عبادہ کا نام آتا ہے تو ایسا ہوجاتے ہیں کہ جیسے وہ کوئی تھا ہی نہیں؟!اور اگر سعد بن عبادہ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے میں پیش پیش ہوتا تو کیا واقعاً بعض کے نزدیک اس کا یہی مقام ہوتا ؟

حرف آخر

اگرچہ سقیفہ میں جس چیز کی بنیادرکھی گئی اور پھر ہر ممکنہ کوشش کے ذریعہ اسے مضبوط کیاگیا کہ جو اہل بیتؑ رسولؐ کی گوشہ نشینی اور لوگوں کے لئے علم ومعارف کے سرچشمہ سے محرومی کا سبب بنی،اس کے باوجود اہل بیتؑ اطہار کا حق تعصب کی کالی گھٹاؤں کے اندر بھی خورشید کے مانند درخشاں اور قابل نظارہ ہیں ۔ہم امید رکھتے ہیں کہ محترم قارئین نے اس کتاب کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ کرلیا ہوگا کہ جمود وانکار اور اتہامات کے گرد وغبار کے ڈھیروں تلے دبے ہوئے حقائق تک پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور پیغمبر اسلامؐ کی عترتؑ کی حقانیت اور صداقت کو جاننے کے لئے دل کا ذرہ برابرپاکیزہ اور انصاف پسند ہونا ہی کافی ہے،یہاں تک کہ ان چیزوں کا مشاہدہ ان کتابوں میں بھی بآسانی کیا جاسکتاہے جو ان کے حقائق پر پردہ ڈالنے کے لئے لکھی گئیں ہیں۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین)سید نسیم حیدر زیدی،قم المقدسہ ۳صفر المظفر۱۴۲۶ھ

فہرست منابع

۱۔ قرآن کریم۔

۲۔ نہج البلاغہ ۔ حضرت علیؑ کے خطبات ۔ مترجم سید جعفر شہیدی، شرکت انتشارات علمی و فرہنگی، طبع ہفتم ۱۳۷۴ھ ش۔

۳۔ الاعلام ۔ خیرالدین زرکلی، بیروت دارالعلم (ملایین) طبع ہفتم ۱۹۸۶ء م۔

۴۔ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد شیخ مفید، تحقیق مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، مطبع مہر قم، ناشر مؤتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید

طبع اول ۱۴۱۳ھ ق۔

۵۔ الامامۃ والسیاسۃ ۔ ابن قتیبہ دینوری، تحقیق علی شیری، انتشارات الشریف رضی طبع اول ایران قم ۱۴۱۳ھ ق۔

۶۔ انساب الاشراف ۔ بلاذری، تحقیق سہیل زکا و ریاض زرکلی، دارالفکر بیروت، طبع اول ۱۴۱۷ھ ق۔

۷۔ بحارالانوار، علامہ مجلسی، بیروت داراحیاء التراث العربی، مؤسسۃ الوفاء، طبع سوم ۱۴۰۳ھ ق۔

۸۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ابن کثیر، تحقیق مکتب تحقیق التراث، بیروت، موسسۃ التاریخ العربی داراحیاء التراث العربی طبع اول ۱۴۱۲ھ

۹۔ تاریخ ادبیات عرب۔ رژی بلاشر، مترجم آذر نوش مؤسسہ مطالعات، تحقیقات فرہنگی تہران ۱۳۶۳ھ ش۔

۱۰۔ تاریخ التراث العربی، فواد سزگین، اعراب گذاری محمود فہمی حجازی، مکتبہ مرعشی نجفی، قم، طبع دوم ۱۴۱۲ھ ق۔

۱۱۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط، تحقیق سہیل زکا، بیروت، دارالفکر، ۱۴۱۴ھ ق۔

۱۲۔ تاریخ طبری (تاریخ الرسل والملوک) ابوجعفر محمد بن جریر طبری تحقیق محمد ابوالفضل، بیروت طبع دوم ۱۳۸۷ھ ق۔

۱۳۔ تاریخ یحییٰ بن معین، تحقیق عبداللہ۔ احمد حسن، دارالقلم بیروت۔

۱۴۔ تاریخ یعقوبی ۔ احمد بن ابی یعقوب بن واضح، منشورات شریف رضی ۔ طبع اول ۔ امیر قم ۔ سنہ ۱۴۱۴ھ ق ۔

۱۵۔ تفسیر الطبری (جامع البیان) دارالفکر، بیروت، سنہ ۱۴۱۵ھ ق۔

۱۶۔ تفسیر العیاشی ۔ محمد بن مسعود عیاش، بیروت مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، تحقیق سید محمد ہاشم رسولی محلاتی طبع اول سنہ ۱۹۹۱ء م۔

۱۷۔ التفسیر الکبیر ۔ فخر رازی، تحقیق مکتب تحقیق داراحیاء التراث العربی، بیروت طبع اول سنہ ۱۹۹۵ء م۔

۱۸۔ تہذیب الاحکام فی شرح المقنعہ، محمد بن حسن الطوسی، تحقیق محمد جعفر شمس الدین، دارالتعارف مطبوعات سنہ ۱۴۱۲ھ ق۔

۱۹۔ تہذیب الکمال، جمال الدین ابی الحجاج، تحقیق بشار عواد معروف، بیروت مؤسسۃ الرسالۃ سنہ ۱۹۸۵ء م۔

۲۰۔ التنبیہ والاشراف، علی بن حسین مسعودی، تحقیق عبداللہ اسماعیل صاوی، منابع الثقافہ الاسلامیہ دارالصاوی قاہرہ ۔

۲۱۔ جامع الاخبار، محمد بن الشعیری، منشورات مکتبۃ حیدریہ (اور نجف کی دیگر مطبع) سنہ ۱۳۸۵ھ ق۔

۲۲۔ الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم، بیروت، احیاء التراث العربی ۔

۲۳۔ دلائل النبوۃ، ابی بکر احمد بن حسین بھیقی، تحقیق عبدالمعطی قلعجی بیروت، دارالکتب العلیہ طبع اول سنہ ۱۴۰۵ھ ق۔

۲۴۔ دیوان الضعفاء والمتروکین، ذہبی بیروت، دارالقلم سنہ ۱۴۰۸ھ ق۔

۲۵۔ الذریعۃ امی تصانیف الشیعۃ، آقا بزرگ تہرانی، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان ۔ ایران قم ۔

۲۶۔ ذکر اخبار اصفہان، حافظ ابونعیم اصفہانی، ترجمہ ۔ نوراللہ کسائی ۔ سروش تہران سنہ ۱۳۷۷ھ ش۔

٢٧ ۔ رجال طوسی، محمد بن حسن طوسی، تحقیق جواد القیومی الاصفهانی موسسہ النشر الاسلامی، جامعہ مدرسین قم طبع اول ۱۴۱۵ھ ق۔

٢٨ ۔ رجال النجاشی ابی عباس احمد بن علی النجاشی۔ تحقیق سید موسیٰ الشبیری الزنجانی مؤسسہ النشر الاسلامی، جامعہ مدرسین قم، طبع پنجم ۱۴۱٦ھ ق۔

۲۹ ۔ السقیفہ۔ الشیخ محمد رضا المظفر، نشر موسسہ انصاریان، مطبع بھمن، قم طبع دوم ۱۴۱۵ھ ق۔

۳۰ ۔ السقیفہ وفدک ۔ ابی بکر بن عبد العزیز الجوہری پیشکش، جمع آوری اور تحقیق محمد ھادی امینی، مکتبۃ نینوی الحدیثۃ تہران ۔

۳۱ ۔ سیر اعلام النبلاء، الذھبی، تحقیق شعیب ارنؤوط اور حسین الاسد ۔ بیروت مؤسسہ الرسالہ ۱۹۹۴م ۔

۳۲ ۔ السیرۃ النبویہ ۔ عبد الملک بن ہشام، تحقیق مصطفیٰ السقا ۔ ابراہیم الابیاری، عبد الحفیظ شلبی، افست مصر، انتشارات ایران، مطبع ظہر قم، ۱۳٦۳ھ ش۔

۳۳ ۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، بیروت دار احیاء التراث العربی طبع دوم ۱۳۸۵ھ ق۔

۳۴ ۔ صحیح البخاری حاشیۃ امام سندی، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۹ھ، طبع اول۔

۳۵ ۔ الضعفاء والمتروکین، دار قطنی، تحقیق موفق عبد اللہ بن عبد القادر، مکتبۃ معارف الریاض ۱۴۰۴ھ ق۔

۳٦ ۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، دار بیروت ۱۴۰۵ھ ق۔

۳۷ ۔ عبد اللہ ابن سبا ۔ علامہ سید مرتضیٰ عسکری ۔ ترجمہ ۔ احمد فہری زنجانی ۔ ناشر مجمع علمی اسلامی مطبع سپھر ۱۳٦۰ھ ش۔

۳۸ ۔ الغدیر، علامہ امینی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران طبع دوم ۱۳٦٦ھ ش۔

۳۹۔ فضائل الصحابہ ۔ احمد بن شعیب نسائی، تحقیق فاروق حمادہ، دارالثقافۃ الدار البیضاء المغرب، طبع اول ۱۴۰۴ھ ق۔

۴۰۔ الفہرست ابن ندیم مطبع تجدد ۔ تہران ۱۳۹۳ھ ق۔

۴۱۔ الفہرست شیخ طوسی، تحقیق محمد صادق آل بحر العلوم، ناشر شریف رضی، ایران قم (افست نجف)۔

۴۲۔ قاموس الرجال : محمد تقی شوشتری نشر و تحقیق مؤسسہ النشر الاسلامی، جامعہ مدرسین قم۔ طبع دوم ۱۴۱۰ھ ق۔

۴۳۔ الکافی، محمد بن یعقوب الکلینی، تحقیق علی اکبر غفاری، دارالاضواء بیروت ۱۴۰۵ھ ق۔

۴۴۔ الکامل فی الضعفاء الرجال ۔ ابن عدی، تحقیق عادل احمد الموجود و محمد معوض، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ ق۔

۴۵۔ الکامل فی التاریخ ۔ ابن اثیر، تحقیق مکتب تراث، مؤسسہ التاریخ العربی بیروت طبع چہارم ۱۴۱۴ھ ق۔

۴۶۔ کتاب المجروحین، محمد بن حبان، تحقیق محمود ابراہیم زاید ۔ ناشر دارالتوعی، حلب، طبع دوم ۱۴۰۲ھ ق۔

۴۷۔ الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، ابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، تحقیق محمد عبد السلام شاہین، بیروت دارالکتب العلمیہ، طبع اول ۱۴۱۶ھ ق۔

۴۸۔ الکنی والالقاب، شیخ عباس قمی، حیدریہ نجف ۱۳۸۹ھ ق۔

۴۹۔ لسان العرب ابن منظور، تحقیق علی شیری، داراحیاء التراث العربی بیروت طبع اول ۱۴۰۸ھ ق۔

۵۰۔ لسان المیزان ۔ ابن حجر عقلانی، تحقیق محمد عبد الرحمن مرسلی، بیروت (ناشر) داراحیاء التراث العربی۔ طبع اول ۔ ۱۴۱۶ھ

۵۱۔ مأساۃ الزہراء (س) سید جعفر مرتضی عاملی، دارالسیرۃ، بیروت۔ طبع اول ۔ ۱۴۱۷ھ ق۔

۵۲۔ مروج الذهب ۔ معودی، تحقیق یوسف اسعد داغر (ناشر) دارالاندلس، بیروت ۔ طبع اول ۱۳۵۸ھ ق۔

۵۳۔ مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، یحییٰ بن ابرہیم، دارالعصامہ ۔ ریاض، طبع اول ۱۴۱۰ھ ق۔

۵۴۔ مسند احمد بن حنبل۔ تحقیق شعیب ارنؤوط اور عادل مرشد (ناشر) موسسہ الرسالہ، بیروت طبع اول ۱۴۱۶ھ ق۔

۵۵۔ معجم الادباء ۔ یاقوت حموی، تحقیق احسان عباس (ناشر) دارالغرب الاسلامی، بیروت طبع اول ۱۹۹۳ءم۔

۵۶۔ معجم رجال الحدیث، ابوالقاسم خوئی ناشر۔ الثقافۃ الاسلامیہ ۔ طبع پنجم ۱۴۱۳ھ ق۔

۵۷۔ المغازی، الواقدی تحقیق مارسدن جونس (ناشر) موسستہ الاعلمی مطبوعات بیروت طبع دوم ۱۴۰۹ھ ق۔

۵۸۔ منابع تاریخ اسلام ۔ رسول جعفریان، انصاریان ۔ قم ۔ طبع اول ۱۳۷۶ھ ق۔

۵۹۔ المنتظم ۔ ابن جوزی ۔ تحقیق محمد عبد القادر عطا، مصطفی عبد القادر عطاء (ناشر) دارالکتب العلمیہ بیروت طبع اول ۱۴۱۲ھ ق۔

۶۰۔ منهاج السنۃ ۔ ابن تیمیہ، تحقیق محمد رشاد سالم (ناشر) ادارۃ الثقافۃ والنشر جامعہ عربستان سعودی ۱۴۰۶ھ ق۔

۶۱۔ المیزان فی تفسیر القرآن ۔ سید محمد حسین طباطبائی (ناشر) دارالکتب الاسلامیہ تہران ۔ طبع چہارم ۱۳۶۵ھ ش۔

۶۲۔ وقعۃ الطف، ابومخنف، تحقیق محمد ہادی یوسفی غروی ۔ موسسۃ النشر الاسلامی۔ جامعہ مدرسین قم ۱۳۶۷ھ ش۔